

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تُقْرَأُوا وَتَدْعُوا إِلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لِكَيْ تُسَمَّوْا بِهِمُ الْكُفْرَ وَالشُّكْرَ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

طلوع اسلام



نومبر ۱۹۴۸



ایک روپیہ



اسلامی حیات اجتماعیکہ ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

کرامہ
رابعاً نود
چہ

بدن اشتراک

کس و پے
چھ روپے
دو پے چار پے

سالانہ
ششماہی
خروج رجبزی سالانہ



محمّد یونس

ایک روپیہ

قیمت فی پرچہ

جلد نمبر ۱

فہرست مضامین

..	ندام اور لونڈیاں	۱	محبوب الہی
۳۸	دورنگی	۲	جنات و اقیان (نظم)
۴۳	ہاجرین کا مستقبل	۳	لمعات
۴۹	پاکستان کے افسر	۴۴	بقیہ لمعات صفحہ ۱۶ سے آگے
۵۱	نقد و نظر	۱۴	عالم اسلامی میں حج کی اہمیت (جناب پردیز)
۶۲	بقیہ نقد و نظر	۲۲	انجمن افلاک (نظم)
	اسلام کا نظریہ جہاد	۲۵	باب المرسلات
۵۲	حکیم حیدر زمان صدیقی	..	نماز
۶۳	ہندوستانی سیاست کا تجزیہ	..	قربانی

لمت

بارہا گفتہ ام و بارہا دگری گویم

دنیا میں بعض جیٹیں انسان پر ہنگامی حوادث کی وجہ سے آتی ہیں جن پر لے قدرت نہیں ہوتی، اس لئے بسا اوقات ان کے نتائج و عواقب کو مجبوراً برداشت کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ لیکن اکثر جیٹیں ایسی ہوتی ہیں جن میں انسان اپنے لئے آپ پیدا کر لیتا ہے اور اس طرح خواہ مخواہ اپنی خود ساختہ پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ تشکیل پاکستان کے بعد جو مصائب و فوازل اس کے دشمنوں کے مشنوں کے حوالے سے پیدا کر دے تھے، یا جو حوادثِ ارغنی و سماوی کے ہاتھوں رونما ہوئے، وہی کچھ کم نہ تھے۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ سبب و شدید ہماری خود ساختہ مشکلات ہیں جن میں ہم اس جبری طرح سے گھرے ہیں کہ ان سے نجات کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ان خود ساختہ مصائب میں سے بڑا ہوتا "وہ ہے جو" نظام شریعت کی شکل میں اعصاب ملت پر سوار ہے اور جس سے کوئی راہ مفر نظر نہیں آتی۔ ایک مسئلہ کے لئے یہ سوال ہی مضحکہ انگیز ہے کہ وہ شریعت کے نظام پر چلنا چاہتا ہے یا غیر شرعی آئین کے تابع۔ انگریز کی غلامی میں دیوانی مقدمات میں فریقین میں سے جب کوئی یہ کہتا کہ میں اپنا فیصلہ شریعت کے مطابق نہیں بلکہ رواج کی توجہ سے چاہتا ہوں تو سینہ میں دل اور دل میں ایمان کی رتی رکھنے والے طبقہ میں اس کی یہ حرکت سخت مذموم قرار پاتی۔ اس وقت عام طور پر کہا جاتا تھا کہ جن معاملات میں ہمیں اختیار نہیں ان میں تو خیر بے بسی ہے۔ لیکن جن صورتوں میں فیصلہ ہمارے اختیار پر چھوڑا جاتا ہے ان میں رواج کو شریعت پر ترجیح دینا اپنے کلمہ شہادت کی عملی نکل دینا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی تحریک آزادی سے مقصد وہی ہے تھا کہ جن امور میں ہمیں اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ شریعت کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلہ کیا کر سکیں، ان امور میں بھی انہیں یہ اختیار مل جائے حتیٰ یکون الدین کلام اللہ چنانچہ یہ اختیار حصول پاکستان کے بعد مل گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

عوریاں رقص کستاں سبہ شکرانہ دند

لہذا اس کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے تھا کہ پاکستان کا نظام حکومت کیا ہونا چاہیے۔ یہی وہ حقیقت تھی کہ جس کی طرف قلب ملت، محترم قائد اعظم مرحوم نے ہر جزئی مسئلہ کو کراچی کے ایک اجتماع میں ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا کہ۔

میں تو یہ سمجھ ہی نہیں سکا کہ لوگوں کو اس استفسار کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے، کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا یا نہیں... اسلامی اصول تو ایسے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا یہ اصول آج بھی اسی طرح کارآمد ہیں جس طرح آج سے تیرہ سو سال پیشتر تھے۔ (ڈان ۱۶/۲۶)

اسی حقیقت کو محترم لیاقت علی خاں نے پشاور کے ایک اجتماع کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک قطعہ ارض حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزمایا سکیں..... پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی اسٹیٹ ہوگی جس میں عدل و انصاف اور مساوات کے اسلامی اصولوں کا نفاذ ہوگا اور طبقاتی امتیاز ختم کر دیا جائے گا۔ پاکستان ہماری ایک تجربہ گاہ ہوگی اور ہم دنیا کو دکھا سکیں گے کہ تیرہ سو سال پہلے کے اصول آج بھی کارآمد ہو سکتے ہیں۔

(ڈان، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ جنوری ۱۹۴۷ء)

کرنے کا کام یہ تھا کہ اس اصول کو پاکستان کی مجلس آئین سازی کی رسالت سے ایک آئینی منشور کی شکل دیکر یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ چونکہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے اس لئے اس کا نظام حکومت بھی لامحالہ اسلامی ہو گا۔ اور اس کے بعد اس نظام کی تدوین و ترتیب کے لئے عملی قدم اٹھایا جاتا۔ لیکن ہلکے ارباب بابت دکشاؤں نے ایسا نہ کیا اور اس طرح اپنے ہاتھوں ایک ایسی ہیصبت پیدا کر لی جس سے اس قسم کی الجھنیں پیدا ہو گئیں اور جو رہی ہیں، کہ جوں جوں آئین سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ پیچیدہ تر ہوتی جاتی ہیں۔ سب سے بڑی الجھن یہ کہ اس سے ان تجربہ سنجی عناصر کے لئے جو شروع ہی سے پاکستان کے خلاف چلے آتے تھے اور تشکیل پاکستان کے بعد اس کی تخریب کے منحوس ارادے مقدس تقابوں میں پھپھائے ہوئے تھے، جو اس کے دلوں میں طنز و وسوسا پیدا کرنے کا موقعہ بہم پہنچا دیا اور انہوں نے اس طرح امید اور یقین کی ان سخت کم بنیادوں کو جن پر اس "اسلامی تجربہ گاہ" کا قہر شدید در نفع المنزلت استوار ہونا تھا، شکوک و شبہات، بدظنی اور بد اعتمادی اور یاس و ناامیدی کے ہلکے جراثیم سے متزلزل کر دیا۔ اس سے پاکستان کو ایسا دور رس اور ہلکے نقصان پہنچا ہے، جس کا طبعی نگاہوں سے اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مذہب کا جذبہ، عام مسلمانوں کے تحت الشعور میں جاگزیں ہے۔ اس کی اس کے قلب کی گہرائیوں میں چھپتے چھپتے اس گئے گزرے زمانہ اور افسردہ دور میں بھی اس کے عروق مردہ میں خون زندگی دوڑانے کا سب سے بڑا محرک یہی جذبہ ہے۔ دنیا نے اپنی اپنی قوموں کے لئے وطن، قوم، تاج، مملکت کی محبت و عقیدت کے جذبات کو وجہ گرمی خون اور باعث تخلیق جنون "بنانے کی کوشش کی ہے لیکن مسلمان کے لئے ان میں سے کوئی جذبہ بھی ایسا مؤثر اور کارگر ثابت نہیں، جو اس قدر ایک امد کا نام انقلاب آفرین ثابت ہوا ہے۔ وہ اس نام کی بلندی کے احکام اور اس کی آبرو کے قیاس کے لئے اپنی عزیز ترین متاع ہنستے کھیلنے لگا دیتا ہے۔ اس کے اس پہ پناہ جذبہ

جنون کو شکوک و ظنون کے دق کے برائیم کے سپرد کر دینا، ملی فوکشی نہیں تو ادرا کیا ہے؟

مندرجہ ذیل صورتوں کی بنا پر اس سلسلہ کے متعلق ایک واضح بیان اور غیر مبہم سرکاری اور آئینی اعلان کی ضرورت پہلے ہی کچھ کم نہ تھی لیکن پچھلے دنوں سے ہندوؤں کی طرف سے جو فاس پر دیگنڈہ شروع ہوا ہے اس کے پیش نظر یہ صورت اور بھی شدید ہو گئی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اس موقع کے آخری لمحات آپہنچے ہیں جب اس بار میں حکومت پاکستان کے ارباب حل و عقد کو بلا تاخیر مزید فیصلہ کرنا ہوگا۔ پچھلے دنوں ہندوستان کے بائی کشر متقیم پاکستان نے مشرقی بنگال کے حالات و کوائف کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بیان میں کہا کہ دہاں کے ہندو اس لئے ہندوستان آئے ہیں کہ ارکان پاکستان نے کئی مرتبہ اعلان کیا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہوگی۔ لہذا اس قسم کی اسٹیٹ میں غیر مسلم کس طرح اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتے ہیں؟ اس کے بعد پاکستان کے گورنر جنرل، محترم خواجہ ناظم الدین نے جب ایک بیان کے سلسلہ میں فرمایا کہ مجرم قائد اعظم کی وفات کے بعد ہمارے اندرونی اختلافات دور ہو چکے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ اس سے پہلے قدیم شریعت کی فوری تنفیذ کا مطالبہ کیا کرتے تھے، انہوں نے بھی اپنی جدوجہد کو ملتوی کر دیا ہے۔ تو اس پر ہندوستان ٹائمز نے "نسیم سحری" کے عنوان سے ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جس میں کہا کہ۔۔۔

پاکستان، بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا خوف دہرا اس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے راہ نماؤں نے متعدد بار اس کا اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و روایات کے مطابق، ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے بعد لکھا کہ

اگر کشمیر کا تنازعہ پر اس طریق سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی اسٹیٹ کے خیال کو ترک کرنے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان ہندوستان، اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوشگوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائیگا۔ (پتہ ۱۹) پھر جب لندن میں محترم لیاقت علی خاں نے ایک اجتماع میں کہا کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے اور ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ ان اصولوں پر قائم کی جائیگی جو ہیں اسلام نے سکھائے ہیں۔ ہندوستان ٹائمز ۲۵

تو اس پر اس انہا نے پھر اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا کہ

تقسیم ہند کے وقت سے، ہندوستان کے نیتاؤں نے اس امر کا اعلان کر رکھا ہے کہ ہندوستان میں لادینی (Secular) مملکت ہوگی۔ لیکن سرحد کے اس پار کے لیڈر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جیاں ہندوستان کی سیاسی جامعوں

اور ارکان حکومت کی تمام کوششیں خاص امر میں صرف ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو یقین دلائیں کہ وہ یہاں بالکل محفوظ ہیں پاکستان کی اقلیتوں کو چھوڑ کر آیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں غیر مسلموں کے لئے کوئی جگہ نہیں اور ان کی ادراک کو قانوناً ضبط کیا جا سکتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں مسز لیات علی

(۲۰)

تے کہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی اسٹیٹ ہے۔

یہ وجہ پراپیگنڈہ ہے جو اس سے بہت پہلے عیسائی حکومتوں اور مشنریوں نے مسلمانوں کے خلاف شروع کیا تھا اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان ساری دنیا کی نگاہوں میں سب سے زیادہ وحشی و خوفناک انسانیت کا دشمن اور تہذیب و تمدن کا ہتھیار قرار پا چکا ہے جس کے ہاتھوں نہ کسی شریف آدمی کی عزت محفوظ ہے نہ آبرو نہ جان سلامت ہے نہ ایمان اس کلمہ شہید دنیا میں فنا اور غنیمت ہی کا سب سے بڑا موجب اور اس کی شریعت سنگ و ناموس انسانیت کی سب سے پیچیدہ دشمن ہے۔ چنانچہ آج بھی صورت یہ ہے کہ جب ہم اقوام عالم کے کسی اجتماع میں جاتے ہیں تو سب سے پہلے انہیں یہ یاد کرانا پڑتا ہے کہ ہم سے ڈریتے ہیں ہم انسان ہی ہیں، خوفناک درندے نہیں ہیں۔ یہ تو رہی ہماری تصویر غیر دین کی نگاہ میں اور تو اپنوں کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ بھی رفتہ رفتہ اس پروپیگنڈہ سے سرخورد ہو کر محسوس را در بعض اوقات اس امر کا کھلے بندوں اقرار کرنے لگ گئے کہ اسلام کا نظام دینی جو وہ سو سال پیشتر کے اگھڑ بد دؤں کو درست کرنے کے لئے منووا تھا آج کی تہذیب دنیا میں اس سکہ کا چلن ناممکن ہے اس غلط پروپیگنڈہ کا اثر خدا خدا کر کے زائل ہونے لگا تھا کہ اب ہندوؤں کی طرف سے اس کی تجدید شروع ہو گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہمارے ارباب جاہل و عقیدہ جو پہلے ہی کچھ مین مین مسلک کے عادی ہیں۔ ڈونے لگ جائیں گے کہ اگر ہم نے پاکستان کو اسلامی مملکت قرار دے دیا اور اس میں نظام شریعت کو رائج کر دیا تو

(۱) دنیا میں پھر وحشی اور غیر تہذیب سمجھنے لگ جائے گی۔

(۲) یہاں کی اقلیتیں بدک کر بھاگن شروع کر دیں گی۔ اور

(۳) اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہندوستان کا ہندو انتظام پر اثر پڑے گا۔

ان کا یہ ڈر بجا ہو گا۔

آپ حیران ہوں گے کہ ہم نے یہ کیا کہہ دیا کہ ان کا یہ ڈر بجا ہو گا۔ ہاں نہ صرف ان کا یہ ڈر، بلکہ ایک حد تک وہ پروپیگنڈہ بھی جو مسلمانوں کے نظام حکومت کے خلاف دنیا کرتی چلی آئی ہے اور آج بھی کر رہی ہے، جیسا کہ ہم بار بار بالوضاحت بیان کر چکے ہیں، مسلمانوں کا اسلام کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا، نظام مملکت و آئین شریعت، اپنے اکثر ڈشیر حصوں میں ایسا ہی رہا ہے جسے ہم دنیا کے سنے کسی فخر کے ساتھ پیش نہیں کر سکتے۔ اس کی ایک مثال اسی پرچم کے ناپائیدار اسلٹ میں، لٹنڈی اور غلاموں کے عزان کے تحت دیکھئے۔ سید ابوالاعلیٰ صاحب مورودی، نظام شریعت کے سب سے بڑے علمبردار سمجھے جاتے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جنگی قیدیوں کے بارہ میں وہ جس قسم کا "شرعی نطفہ" م

رائج کرنا چاہتے ہیں اسے دیکھ کر دنیا کی قومیں آپ کے متعلق کیا کہیں گی اور جو کچھ کہیں گی اس میں حق بجانب ہوں گی یا نہیں؟ یہ نمونہ ہے اس نظام شریعت کا جو مسلمانوں کے دورِ بلوکیت میں ایجاد ہوا لیکن جسے شوخی قسمت سے سلطانِ اسلامی نظام بکھرا ہے۔

تو پھر کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم اعلان کریں کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ نہیں ہوگی بلکہ لادینی اسٹیٹ ہوگی؟ یہ نہیں۔ اگر ایسا ہی کرنا ہوتا تو ہندوستان کی تقسیم کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کہنے کا کام وہی ہے جس کی طرف ہم گذشتہ اشاعت کے لمعات میں اشارہ کر چکے ہیں۔ یعنی یہ کہ

(۱) پورے حتمِ یقین اور دثوقِ دامتاد سے اعلان کر دیا جائے کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ ہوگی۔

(۲) اس اسٹیٹ کا نظام دستوراً پر مبنی ہوگا۔

اور اس کے بعد حکومت ہند سے یہ کہا جائے کہ پاکستان کے اسلامی اسٹیٹ بننے سے آپ کو فیصلوں کے بارے میں جو غدشات و خطرات نظر آ رہے ہیں، ان کی ایک تفصیلی فہرست مرتب کر کے بھیج دیجئے اور اس کے بعد دیکھ لیجئے کہ تم قانون ہم بناتے ہیں، اس فہرست میں سے کسی ایک غلطو یا غدشہ کا اندیشہ بھی باقی رہتا ہے؟ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اپنا قانون اس وقت رائج کریں گے جب آپ خود دیکھ لیں گے کہ آپ کے تمام غدشات و غمخیزیاں ہیں۔ ان میں سے ایک بھی مبنی بر حقیقت نہیں۔ اور اتنا ہی نہیں۔ اس سے ایک قدم آگے بڑھئے اور ان سے کہئے کہ اس کے بعد ہمارے قانون کا لپنے قانون سے موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق و مفاد کا جس طرح قانونی تحفظ ہم کرتے ہیں، اور جو مراعات انہیں ہم دیتے ہیں کیا آپ کا قانون اس کی نظیر پیش کر سکتا ہے؟ اور آگے بڑھئے اور ساری دنیا کو کہہ دیجئے کہ قانونِ دستور کا من مٹلہ۔ اس قانون کی کسی ایک

شقی کی نظیر اپنے ضوابطِ قوانین سے پیش کر کے تیار۔ جسے ہم پیش کرتے ہیں وہ خدا کا قانون ہے مذاق میں ہے اگر وہ انسانوں میں عدل و مساوات قائم نہ رکھ سکے تو اسے خدائی قانون کہلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ خدا کا قانون نہ ہوا انشوکا شستریا ایٹھلانٹک چار بھر ہوا۔

کھیل بچوں کا ہوا، دیدہ بینا نہ ہوا!

اور پھر اس کے بعد، چھوٹے منہ سے بڑی بات کہنے کی بھی اجازت دیجئے۔ وہ بات جو ہزار بار ہمارے عقبِ قلب سے اٹھتی لیکن زبان تک آتے آتے رک گئی یعنی یہ کہ شکوک و شبہات اور غدشات و خطرات کی جو فہرست غیر مسلم بھیجیں، اگر اور کسی صورت میں اس کا ہر آپ مشکل نظر آئے تو قانونِ خداوندی کے ان ادنیٰ خدام کے پاس بھیج دیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ جو دعویٰ اوپر کیا گیا ہے وہ حرفِ بھرت درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ وہ انانیت نہیں جو انہرراتِ دنیائی کا نتیجہ ہوتی ہے بلکہ خدا کے قانون کی عالمگیریت اور بے مشابہت پر اس ایمانِ یقین کا مضبوطی نہ مظاہرہ ہے جو انسان کے سامنے اس حقیقتِ کبریٰ کو دانشگاہ کر دیتا ہے کہ انسانی نظرت کا ترجمان، قرآن کے علاوہ اور کوئی نہیں اور

ارتقاء شرف انسانیت کے لئے یہی واحد اور مکمل مضابطہ حیات ہے۔ یہ اس حمیت کی بے خورازانہ جھلک ہے جو کبھی اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتی کہ باطل کی ابلہ فریبیاں، ہند کے نازل کردہ آئین حیات کو اس طرح دھڑنساؤاد میت قرار دیں اور اس کتاب پر ایمان رکھنے والے اسے خاموشی سے سنا کریں۔ ہلے ہماری نہیں، قرآن کی تھدی سمجھے جسے وہ ساری دنیا کے سامنے علی الاعلان پیش کرتا ہے۔ شکل یہ ہے کہ مسلمان بھول چکا ہے کہ وہ کس قدر بے بہا ستارے بے مثال کا مالک ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک گداگر کی طرح ہردھتکارنے والے کی جھڑکیاں سہتا ہے اور اونچی آواز سے چلانے والے سے ڈر کر سہم جاتا ہے۔ اسے کس طرح بتایا جائے کہ اس کا صحیح مقام کیا ہے؟ اسے کون سمجھائے کہ

بے خبر تو جو ہر آئینہ ایام ہے

تو زمانہ میں خدا کا آخری پیغام ہے

پاکستان کے مسلمانوں کو، ہندوؤں کے اس باطل، افروز چیلنج کو ذلت کی خاموشی سے نہیں سن لینا چاہیے بلکہ قانون خداوندی کے عملی نفاذ سے اسے جھٹلا دینا چاہیے اور اس طرح دنیا کو تباہ و برباد چاہیے کہ یہ ہے وہ مسلک حیات جسے دھڑنگ انسانیت بھڑایا جاتا تھا۔

محترم خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنے محولہ بیان میں فرمایا ہے کہ

جو لوگ قدیم (Orthodox) نظام شریعت کی فوری (Immediate)

زدیج کا مطالبہ کرتے تھے انہوں نے بھی اپنی سماعی کو ملتوی کر دیا ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ محترم خواجہ صاحب پاکستان میں قانون اسلامی کی تنفیذ کے خلاف نہیں ہیں (جیسا کہ

ہندوستان نامگز نے اس سے نتیجہ نکالا ہے) بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ

(۱) اسلامی قانون ہمارے حالات حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہونا چاہیے۔ اور

(۲) اسے بتدریج رائج کرنا چاہیے۔

ہم شروع سے یہی کہتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ نظام اسلامی جو عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے اسی صورت میں

مرتب ہو سکتا ہے کہ قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی جزئیات، اپنے حالات کے مطابق متعین کی جائیں۔ یہ صلاحیت

صرف قرآن میں ہے کہ وہ تمام نوع انسانی کی قیامت تک کی ضروریات کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جو نظام

بھی ہے انسانوں کا خود ساختہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسانوں نے جو نظام کسی ایک زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر

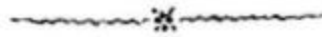
مرتب کیا ہو، خواہ وہ جزئیات قرآنی اصولوں کی روشنی میں کیوں نہ متعین کی گئی ہوں، وہ اب بالادھم غیر متبدل نہیں

رہ سکتیں۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ ماہ لکھا تھا، ارباب حکومت کو اس باب میں اعلیٰ اندیشہ ہے کہ قدامت پرست

حضرات اس کی مخالفت کریں گے اور عوام کے جذبات کو مشتعل کر دیں گے۔ لیکن اس اندیشہ کا علاج تاخیر نہیں ہے

اس سے حالت خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں کہ قرآنی اصولوں کی روشنی میں ہمیں اپنے حالات کے مطابق خود اپنی جزئیات متعین کرنی ہیں تو عزم راسخ سے اس کا اعلان کیجیے کہ ہم سے آئین کی بنیاد قرآن پر ہوگی۔ اور پھر پوچھئے مسلمانان پاکستان سے کہ کسی کو اس پر کوئی اعتراض ہے، آپ دیکھیں گے کہ اس نئے مفاہم ایک آواز بھی بلند نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ وہ کون بد بخت مسلمان ہے جو یہ کہے گا کہ ہم سے آئین کی بنیاد قرآن پر نہیں ہونی چاہیے۔ اور اس کے بعد آپ یقین لگے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو اس نظام کے ساتھ کس درجہ دالہانہ عقیدت پیدا ہو جاتی ہے؟ یہ خدشات و خطرات سب اس لئے ہیں کہ آپ مخالفین کا سامنا کرنے سے چمک پاتے ہیں۔ مخالفین کو بے نقاب سامنے رکھئے۔ یہ تمام خدشات کا نور ہو جائیں گے کہ ان الباطل کا ن زھوقاً

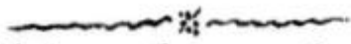
باقی رہا اس کا تدریجی نفاذ تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام تدریجی اور مہالی طور پر ہی رائج ہو سکتا ہے۔ لیکن، جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں، تدریجی مراحل تو کسی نقطہ آغاز سے شروع ہوں گے۔ اگر آپ کسی پروگرام کی ابتدا ہی نہ کریں گے تو وہ لپٹنے تدریجی منازل طے کس طرح سے کرے گا؟ برس دن سے یہ قوم سنتی چلی آ رہی ہے کہ پاکستان اسلامی اسٹیٹ ہے۔ اس کا آئین اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا۔ لیکن آج تک اس باب میں ایک عملی قدم بھی تو نہیں اٹھایا گیا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہماری حکومت کے سامنے بڑے بڑے اہم مسائل ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ بیرونی خطرات ان کی تمام توجہات کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور تمام قوتوں کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر بیرونی خطرات کا تذکرہ اور حفاظتی تدابیر استحکام پاکستان کے لئے ضروری ہیں تو اندرون ملک میں آئینی نظام کی ترتیب و تنفیذ بھی استحکام پاکستان کے لئے کچھ کم ضروری نہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ہمارے معاملات مندرجہ ذیل کے مطابق طے پائیں بلکہ قوم اس ذہنی خلفشار سے نجات حاصل کر کے جس میں وہ آجکل مبتلا ہے کامل جمعیت خاطر سے استحکام پاکستان کیلئے تیار ہو جائے گی اور ان تحریری عناصر کو کبھی ذہن نشانی کا موقع نہیں ملے گا جو اس باب میں تاخیر یا عدم فیصلہ کی آؤ لیکر قوم کو قسمت و انتشار اور بددلی اور بدگمانی پیدا کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔



مخبر خواجہ ناظم الدین نے اپنے بیان میں فرمایا ہے کہ جو لوگ پہلے قدیم شرعی نظام کی تنفیذ کا مطالبہ کرتے تھے انہوں نے بھی اب اپنی جدوجہد کو ملتوی کر دیا ہے اور حکومت کی تائید اور امداد کا وعدہ کر لیا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے خواجہ صاحب کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے لیکن اگر ان کے پیش نظر وہ گرد ہے جو لپٹنے آپ کو اسلامی جماعت سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے التوائے ساقی سے مقصود ہیں وہ اعلانات جو اس جماعت کی طرف سے، ان کے امیر اور مسند کی گرفتاری کے بعد صادر ہوئے ہیں۔ تو ہم گزارش کریں گے کہ ان کی اتنی سی بات سے مطمئن ہو جانا اور سمجھ لینا کہ ان کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا، اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس پر ابھی تک غور نہیں کیا کہ یہ تحریک جو بظاہر اسلامی جماعت کے مقدس اور معصوم نقاب میں سامنے آئی ہے اور جس کا مقصود اور مطالبہ صحت کا لڑنے

وہ انہیں مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔ وہ ان سب کو جہنم کا امیڈ من قرار دیتا ہے اور صرف اپنی جہالت کو نجات یا نشتہ سمجھتا ہے۔ اگر اس نے آج صبح بیوت کی ہے تو اس کے محل (دیروز) اور آج میں، عملی طور پر کچھ فرق نہیں ہوتا۔ لیکن بائیں ہندوہ تمام مسلمانوں کو ذلت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتا ہے اور پھر یہ جذبہ لہو و منافرت اس طرح ترقی کرتا چلا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا بیزین دشمن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ان تمسک کو حسنة تسوہم دان نصیب کو سیدہ لہیفہ حوایبہ (مسلمانوں کی خوش حالی سے وہ جل اٹھتے ہیں اور ان کے مصائب سے خوش ہوتے ہیں) انکی جماعت بندی کا سینٹ ہی جذبہ منافرت ہے۔ اسی سے ان کی جداگانہ جماعت کا وجود قائم ہے۔ ان میں ان جذبات نفرت کو شدید سے شدید کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ان کی جماعت مستحکم ہے۔ وہ سارے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود حالت یہ ہے کہ جو جماعت مسلمانوں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں ان میں مسلمان بن کر برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ برابر کے ہی نہیں بلکہ اب تو شریک غالب کی حیثیت سے۔

یہ تحریک برٹش گورنمنٹ کے بل بوتے پر قائم تھی۔ جب انگریزوں نے ہندوستان سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تو یہ تحریک بھی مر جھانے لگ گئی۔ اب انگریزوں کے چلے جانے کے بعد، بات کی پچ یا "پیری مریدی" کے مصلح ہیں جو اس کے مٹنے والے آثار کو قائم رکھے ہیں۔ اس سے زیادہ بحیثیت ایک تحریک کے اس کی کوئی اصل باقی نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے یہ نقوش ریشواہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور پھر آنے والے سورج کے پاس سوائے اس نقصان عظیم کے جو مسلمان ہندو کو اس سے پہنچا، اس کا کوئی نشان راہ باقی نہیں رہے گا۔



لیکن اسے ہماری شرمی قسمت کیے یا خاطر پنجاب کی درخیزی کا کرشمہ کہ عین اس زمانہ میں جب اس پرانی تحریک میں پت جھڑ شروع ہوئی، وہیں سے ایک نئی تحریک نے اپنی پہلی کونپل نکالی جو اپنی نفسیاتی کیفیت اور تکنیک کے اعتبار سے اس پرانی تحریک کی بردن ہے۔ یہ تحریک اسلامی جماعت کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے تذکرہ سے اس نئے کی ابتدا ہوئی ہے۔ مسلمان ہند کی تحریک آزادی کے ابتدا میں، بنیادی ماہہ النزاع مسئلہ یہ تھا کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں یا ہندوستان کے دیگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ مل کر ایک متحدہ قومیت کا جز بنتے ہیں، جمہور مسلمان اپنی جداگانہ قومیت کے حق میں تھے اور اس پر ان کے سیاسی و عوامی کی بنیاد تھی۔ رسالہ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر سید ابوالاعلیٰ مصلح مورودی نے اس زمانہ میں متحدہ قومیت کے نظریہ کی محنت و مخالفت کی اور اس طرح جمہور مسلمانوں میں خاصی مقبولیت حاصل کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے رفاقتیہ ۱۹۴۱ء میں، اپنی جداگانہ جماعت کی تحریک چلائی جس کی اساس اس معصوم اور مقدس آواز پر تھی کہ مسلمان جب تک بچے معنوں میں مسلمان نہیں بن جاتا، جب تک وہ خدا کے رنگ میں نہیں رنگا جاتا، تو تک اسے فوز و فلاح نصیب نہیں ہو سکتی، کون مسلمان ہے جسے اس دعوت سے اختلاف ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس آواز میں ایسی دل کشی اور اس دعوت میں ایسی جاذبیت تھی کہ لوگوں نے اس پر اسی طرح لبیک کہا جس طرح براہین احمدیہ

کی اشاعت پر بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ یہ نئی تحریک (Modern) طریق پر پیش کی گئی تھی۔ ہمیں اس وقت ان تحریکات سے بحث نہیں جو اس تحریک کی تخلیق کے باعث ہوئے لیکن اس جماعت نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے آپکو اسلامی جماعت کہہ کر باقی مسلمانوں کے غیر اسلامی ہونے کا اعلان کر دیا اور اس طرح لہجہ و منافرت کا ہی جج جس پر تحریک قادیانیت کی اساس تھی، از سر نو بودیا گیا۔ اس کے بعد اس جماعت نے بھی خود مودودی صاحب نے جماعت کے اراکین کی تجدید ایمان کی اور اس طرح اپنے دستِ حق پرست پر گویا انہیں نئے سرے سے مسلمان کیا ملا حظہ ہو جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع کی روئداد مسلمان اس زمانہ میں ہندو اور انگریز کے متحدہ محاذ کے خلاف اس سیاسی کشمکش میں مبتلا تھے کہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے یا مسلمانوں کو اپنی جداگانہ مملکت قائم کرنے کا موقع مل جائے مسلمانان ہند پر یہ دور بڑا نازک تھا اور غیر مسلم عناصر پوری کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی جداگانہ حکومت کے نظریہ کی مخالفت کی قوتوں میں کسی نہ کسی طرح ضعف و انتشار پیدا کر دیا جائے کہ اس میں ہندو کی فتح کا راز مضمر تھا۔ مین اس کشمکش کے زمانہ میں اسلامی جماعت نے مسلمانوں کے خلاف ایسا زہر افگن شروع کیا کہ جس سے ان کی اجتماعی کوششوں میں انتشار پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ آپ اس جماعت کے آرگن ترجمان القرآن اور دیگر جرائد و رسائل کے فائل اٹھا کر پڑھئے اور دیکھئے کہ کس منظم طریق پر مسلمانوں کی اس سیاسی جدوجہد کی مخالفت کی جاتی تھی جس سے ان کی ملی زندگی اور موت کا سوال وابستہ تھا۔ قادیانی تحریک نے مسلمانوں کو کافر بنایا تھا۔ مودودی صاحب نے انہیں من حیث القوم منافق قرار دیدیا۔ کافر اور منافق میں جو فرق ہے وہ سب پر میاں ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن میں "حقیقت نفاق" کے عنوان سے ایک سلسلہ حضراتینا شائع ہوا جس میں لکھا تھا۔

منافقین کی مذکورہ بالا اقسام تو وہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان کے علاوہ ایک اور قسم بھی اس زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ جس کا وجود عہد نزول قرآن میں نہیں تھا، اور نہ قدرتا ہونا چاہیے تھا۔ یہ قسم ان نیشی اور خاندانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جن کے دماغ تو غیر اسلامی نظریات اور اصولوں پر پوری طرح ایمان لائے ہوئے ہیں اور اسلامی اصول اور قرآنی تصورات سے یکسر بیخبر اور کورچکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کو مسلمان کہتے اور مسلمان کہلاتے جاتے پر مصر ہیں، اور ان کا یہ اصرار کسی غرض یا کسی ذاتی مصلحت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ دوسرے منافقوں کا قاصد ہے، بلکہ انہیں لفظ "اسلام" اور "مسلمان" کے ساتھ ایک گہرا پیدا نشی تعلق ہے اور اس تعلق کے قیام و بقا میں وہ سخت متعصب واقع ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح دنیا میں پہے شمار فرمیں ہیں اسی طرح انہوں نے "مسلمان" کے لفظ کو بھی ایک قوم کے نام کی حیثیت دے رکھی ہے۔ اور جس طرح ہر ان کو اپنی قوم سے ایک خصوصی لگاؤ ہوتا ہے۔ خواہ اس میں اور اس کے دوسرے ہم قوم افراد میں کتنا ہی زبردست اختلاف فکر و نظر موجود ہو۔ اور نفسیاتی

اعتبار سے اس لگاؤ میں آتی مضبوط ہوتی ہے کہ بسا اوقات انسان کی قیامت پر اس لگاؤ کو قربان نہیں کر سکتا، بالکل ای طرح یہ مسلمان زلہ بھی اپنی قومیت کے نشان یعنی لفظ مسلمان کو لپٹنے سے جدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور جب کوئی موقع قومی حمایت کا آتا ہے تو دوسرے منافقین کی روش کے برعکس یہ مسلم قوم کی حمایت میں سینہ سپر ہو جاتا ہے اور اس جاں فردنی کے مظاہرہ میں نہ تو اس کی کسی بدینتی کا دخل ہوتا ہے نہ خود فرضی یا جاہ طلبی کا، بلکہ یہ اثر ہوتا ہے جس اس منصب کا جو اسے اپنی قومیت کے ساتھ ہے۔

اس سے ذرا آگے چل کر تحریر ہے۔

لیکن جیسا کہ کہیں اور پر بیان کیا جا چکا ہے، اس وقت ایک تیسرا طبقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جس کا نام ہم نے غیر شعوری منافق رکھا ہے۔ یہ طبقہ اپنے خیالات، مقاصد زندگی اور طرز عمل کے اعتبار سے تو اسلام سے بالکل محرف ہے، مگر اپنے آپ کو مسلمان کہنے پر نہ صرف مصر ہے، بلکہ اسلام کے نام پر جان دینے کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور بس مسلمانوں کو سر بلینڈ دیکھنے کے لئے مہرا جاتا ہے۔ اس کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے لئے ویسی ہی عنصیت اور جاہلی حیت ہے جیسی ایک پیدائشی ہندو میں ہندویت اور ہندووں کے لئے، اور ایک پیدائشی سکھ میں سکھمت اور سکھوں کے لئے ہوتی ہے۔

جمہور مسلمانوں کے علاوہ، ان کے نادر استنزار و تخریب کا سب سے بڑا ہدف، مسلمانوں کی قیادت تھی۔ چنانچہ اس قیادت کے خلاف انہوں نے مسلسل "جہاد" جاری رکھا اور اس کی تذلیل و تحقیر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کو تاکید کر دی کہ مسلمانوں کی اس اجتماعی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا جائے۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ جماعت ایک مستقل فرقہ بن گئی جس کی اپنی کیفیت یہ ہے کہ، مرزائی حضرات کی طرح، جو نہی کوئی شخص اس جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ، مقدسوں کے طائفوں کا نذر سمجھنے لگ جاتا ہے اور باقی مسلمانوں کو جہنم کا ایجنٹ سمجھ کر انہیں نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔

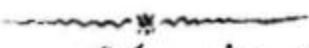
اس جماعت نے اس تمام دوران میں پاکستان کی مخالفت میں بھی کوئی گہر نہیں اٹھا رکھی تھی کھلے بندوں سے زہر ملاحظہ کیا کرتے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی پیدا ہو گئی جو اگرچہ اسلامی جماعتیں شامل نہیں تھے، لیکن ان کے نگاہ فریب دلائل سے متاثر ہو کر تحریک پاکستان سے دل برداشت ہو گئے اور بہت سے ایسے تھے جن کے دلوں کا یقین ریب و تشکیک سے بدل گیا۔ غرضیکہ یہ سببیت مجموعی مسلمانوں کی اس اجتماعی تحریک کو جس قدر نقصان اس جماعت نے پہنچایا، کھلے دشمن اتنا نہیں پہنچا سکے۔ اس کی وجہ خود اسی جماعت کی زبان سے سنئے حقیقت نفاق کے مضمون میں جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے، ارشاد ہے۔

اسلام کے مقابلہ میں دو طاقتیں ہمیشہ سے نبرد آزما چلی آ رہی ہیں۔ ایک کفر، دوسری نفاق۔ تاریخ اسلامی کے ابتدائی صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جتنی مشکلات کفار نے پیدا کیں وہ ان مولن کی نسبت کم ہیں اور بے ضرورتیں جو منافقین کی بدولت پیش آئے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار بھی اکثر ماندانہ کارروائیاں انہیں منافقین کی خفیہ ریشہ دوازیوں کی رہین منت ہو کرتی تھیں۔ ہمارا انہوں نے مشرکین کو لڑائی پرا بھارا، غزوات میں مسلمانوں کو اپنی فریب کاریوں سے نقصان پہنچایا، رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کی توہین و تذلیل کی، وطن اور حسب نسب کے جھگڑے برپا کر کے مسلمانوں کی حمیت پر لگندہ کرنے کی کوششیں کیں، تقسیم غنائم کے مواقع پر کفر و ایمان رکھنے والوں کو رسول اللہ سے بدظن کیا، اسلامی نظام کے تدرست پیکے میں طرح طرح کے دہائی جرائم داخل کرنے کی سعی کی۔ غرض فررسائی کے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے ان میں سے کسی کو بھی فتنہ و شیطنت کے کالمبرداروں نے باقی نہ اٹھا رکھا۔ کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے۔ لڑنے کی جوت اپنی عداوت کا اعلان کر کے کھلے میدان میں دعوت پیکار دیتا ہے۔ لیکن نفاق پیشانی پر دوستی و وفاتت کا لیل لگا کر اسلام کے گھر میں بیٹھ کر عداوتیں اس کی ریخ کنی کرتا ہے اور اس انداز میں کہ نگاہ ظاہرین کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ پھر غور فرمائیے کہ کفر کے مقابلہ میں نفاق کی خطرناکیاں کتنی زیادہ کتنی ہے پناہ اور کیسی کارگر ہوں گی۔ دن کی روشنی میں زمین پر پڑے ہوئے بڑے بڑے بڑے بڑے ارد سے کو مار ڈالنا کچھ مشکل نہیں۔ لیکن جو ناگن آستین میں چھپی چھپی ہو اس کے زہر سے بچنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔

غرضیکہ یہ تھا اس جماعت کا۔ ذنق تقسیم ہند سے پیشتر۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مرزائی حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ مسلمانوں کو کافر بھی کہتے ہیں اور مسلمانوں کی مراعات میں برابر کے شریک بھی ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت اسلامی جماعت کی ہے۔ وہ عمر بھر مسلمانوں کو منافق قرار دیتے۔ تحریک پاکستان کی مخالفت کرتے، اور ان کی قیادت میں کیڑے ڈالتے رہے، لیکن تشریف پاکستان کے بعد پاکستان کے سب سے بڑے حمایتی بن بیٹھے۔ لیکن یہ حمایت بھی دراصل اسی تحزیب کے لئے ہے جس کی تبلیغ وہ اتنے عرصہ سے کرتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے اب صرف پینترا بے لا۔ ہے۔ اب وہ نہایت غمخوارانہ انداز میں ٹھنڈی آہیں بھر بھر کر کہتے ہیں کہ اگر مسلمان ہماری مان لیتے تو مصیبتوں کے یہ پہاڑ ان پر کیوں ٹوٹتے؟ اور اس کا قطع کا بند! وہی ہو جس قیادت!

مرزائی حضرات کی یہ کیفیت ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ جھٹ مرزا صاحب کی کتابوں کے ورق لٹنے شروع کر دیتے ہیں اور کوئی نہ کوئی پیش گوئی نکال کر خوش ہو جاتے ہیں کہ اس سے مرزا صاحب کی صداقت کی ایک اور دلیل مل گئی۔ یعنی انہیں مسلمانوں کی اس مصیبت سے دکھ نہیں پہنچتا۔ اس چیز سے خوشی ہوتی ہے کہ وہ مصیبت نرا

کی صداقت کی دلیل بن گئی۔ گذشتہ سال اور اس کے بعد مسلمانان پاکستان پر چوتیس نوٹس، ان چیل سلائی جماعت کے اراکین کی بھیجی کیفیت تھی۔ وہ ہر نئی صیبت پر مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ "اور تباہ کرنا چاہتی قیادت کی! دیکھا امیر جماعت اسلامی نے کتنا مصدقہ پتہ کہ یا نفاق اس غلط قیادت کے نتائج بہت ہلکے ہوں گے"۔ یعنی جب مسلمانوں کے گھروں میں صف مائٹم بھی ہوتی ہے۔ یہ نوٹس ہوتے ہیں کہ ان کے امیر کی سیاسی بصیرت کی داہل گئی!



یہ سب مختصر سا نفاک اس جماعت کا جو اپنی مثیل جماعت کی جگہ لے رہی ہے۔ سادہ لوح مسلمان پھر ایک بار فریب کھا رہے کہ یہ جماعت نہایت مقدس عزائم کی حامل ہے۔ اس کی مخالفت خدا اور رسول کے پیغام کی مخالفت ہے۔ اس کا فائدہ شریعت کا مطالعہ کس قدر صحیح اسلامی روح کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ وہی مسلمان جو "ہر تیز رو کے ساتھ" تھوڑی دیر چلنے کا عادی ہو چکا ہے، اس گروہ کے ساتھ سبھی چل رہے اور دل میں سمجھ رہا ہے کہ یہ راہ ٹھیک کبھی کی طرف لیا جائیگی۔ لیکن ہمیں سمجھتا کہ جس تحریک کی بنیاد مسلمانوں کے خلاف جذبہ منافرت پھیلانے پر قائم کی گئی ہو۔ جو نظریہ پاکستان کی اس صوبہ مخالف ہی ہو جو ان کی ذمہ داری کے خلاف ایسا کھلا کھلا نہرا گل بھی ہو ان کے دل میں مسلمانوں کی ہی خواہی کا درد کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ ان کے نزدیک موجودہ مسلمانوں کا ہم اور وہ برابر ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ آخر امامیہ تحریک کیسے تحریک سے بھی نہیں زیادہ نقصان رساں اور نقصان ثابت ہوگی جس کی یہ عمل بردار (Modern Form) ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہلکے۔ اس لئے کہ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں میں محض تشنہ و انتشار پیدا کرنا اور انہیں جذبہ جہاد سے بیگانہ بنا دینا تھا۔ ان کی سیاسی قیادت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس تحریک کا سب سے پہلا مقصد سیاسی قیادت کا حصول ہے۔ اور اس کے لئے ان کا صغریٰ کبریٰ بالکل واضح ہے۔

(۱) مسلمانوں کی موجودہ قیادت انہیں جہنم کی طرف لے گئی اور لئے جا رہی ہے۔

(۲) قیادت کے اہل، حاملین شریعت ہیں۔ اور

(۳) ان میں سب سے بلند مقام جماعت اسلامی کو حاصل ہے۔

(۴) نتیجہ واضح ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ اس جماعت کے مقاصد کیا ہیں۔ یاد رکھئے اگر اس جماعت کو تعزیت حاصل رہی تو یہ نہ مملکت پاکستان کو مستحکم ہونے دیگی، نہ یہاں کسی حکومت کے پاؤں جمنے دیگی، نہ کوئی نظام چلنے دیگی۔ الا یہ کہ نظام حکومت خود ان کے ہاتھ میں ہے اور جس نظام کو یہ شرعی نظام قرار دیں۔ یہ نظام ان کے ہاتھوں سے نفاذ پذیر ہو۔ جب تک یہاں کوئی نظام جدید رائج نہیں ہوتا یہ شرعی نظام کا مطالعہ کرتے رہیں گے اور اگر مسلمانوں نے کوئی اسلامی نظام رست کر لیا تو ان کی طرف سے یہ اعتراض شروع ہو جائے گا کہ اس نظام کو چلانے والوں کی سیرت اسلامی نہیں، لہذا ان کا مذکورہ نظام بھی صحیح اسلامی نظام نہیں قرار پاسکتا۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ سوچئے کہ اس چیز سے مطمئن ہو جانا کہ چونکہ ان لوگوں نے رغائباً و دوی حتماً کی گرفتاری کے بعد اپنے مطالبہ اور اس کے حصول کی جدوجہد کو سر میں التوا میں ڈال دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس لئے اب فطرہ کی کوئی بات نہیں، اپنے آپ کو کس قدر غلط نہی میں مبتلا رکھنا ہے۔ ان کا یہ پروگرام محض ہنگامی نہیں بلکہ اس پر تو ان کی چاہت کے وجود کا قیام ہے۔ باقی رہی ان کی یہ رجعت، تو یہ بھی اس تحریک کی تقلید میں ہے جس کی یہ مثال ہے۔ جب مرزا صاحب پر یہ مقدمہ چلایا گیا تھا تو انہوں نے عدالت میں معافی مانگ لی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ اپنی پیش گوئیوں کی اشاعت نہیں کروں گا۔

اس طرح امیر جماعت اسلامی نے جب دیکھا کہ جنگ کشمیر کے معاملہ میں ان کے فتویٰ سے معاملہ نزاکت افتیاً کر گیا ہے تو انہوں نے بھی جھٹ اس سے رجعت فرمائی اور اس تبدیلی نستونی کے لئے اس قسم کے لاطائل و دلائل اور رکنیک تاویلات سے کام لیا جن پر عقل روئے اور بصیرت ماتم کرے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے معافی نامہ میں اس سے بھی آگے بڑھے۔ مسلمانوں کی قیادتِ عظمیٰ کے متعلق انہوں نے برسوں تک جو ذہن افشانی کی ہے وہ ہم اس شخص کے سامنے ہے جو ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتا رہا ہے۔ دور کیوں جائیے۔ ترجمان القرآن کے درجہ بہہ اشاعت لاہور میں انہوں نے پہلے پرچہ سے ان تباہیوں اور بربادیوں کو گنا نا شروع کر دیا جو ان کے نزدیک مسلمانوں کی غلط قیادت کا نتیجہ ہیں۔ اس کے بعد، جولائی ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں تحریر فرمایا۔

مسلمانوں نے، اپنی ساری قومی طاقت، اپنے تمام ذرائع اور اپنے جملہ معاملات اس قیادت کے حوالے کر دیئے جو ان کے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کرنا چاہتی تھی۔ جس برس کے بعد آج اس کا پورا کارنامہ ہمارے سامنے ہے۔ اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے کس طرح، کس صورت میں، ہمارے مسئلے کو حل کیا۔ جو کچھ جو چکا ہے وہ تو اٹنٹ ہے۔ اب لسبلا نہیں جاسکتا۔ اس پر اس حیثیت سے فوجت بیکار ہے کہ یہ نہ کیا جاتا تو کیا ہوتا۔ البتہ اس حیثیت سے اس پر کھٹ کرنا ضروری ہے کہ جو مسائل ہیں اب درپیش ہیں کیا ان کے حل کے لئے بھی وہی قیادت موزوں ہے جو اس سے پہلے ہمارے قومی مسئلہ کو اس طرح حل کر چکی ہے؟ کیا اس کا اب تک کارنامہ یہی سفارش کرتا ہے کہ اب جو بڑے بڑے اور نازک مسائل ہمارے سر پر آچسے ہیں، جن کا بیشتر حصہ خود اس قیادت کی کار فرمایوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے، انہیں حل کرنے کے لئے ہم اس پر اٹنٹا کریں؟

سن لیا آپ نے کہ مسلمانوں کی قیادت کے متعلق کس رائے کا اظہار کیا جا رہا ہے؟ لیکن اس کے تصور سے عرصہ پہلے جب مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں قانونی گرفت کا تصور سامنے آیا تو راقیہ اعظم کی وفات پر، اسی قیادت کے متعلق

دالوں کو اپنی حدیث الم سے آگاہ کرنے کے لئے باقی رہ جاتی ہیں۔ بال اور نیوا۔ مصر اور یونان۔ چین اور ایران کے کھنڈرات کو چشمِ عبرت سے دیکھئے اور سوچئے کہ انسانوں نے اتنی محنت سے کاتے ہوئے موت کو کس طرح بار بار خود اپنے ہی ہاتھوں سے بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

ادوارِ سابقہ کی طرح عصرِ حاضر کے انسان نے بھی اس سوال کے حل میں دماغِ سوزی کی ادویات کی فکر و کاوش کا نتیجہ شیشِ سلام (قویتِ پرستی) کی صورت میں دنیا کے سامنے آیا جس پر اقوامِ مغرب اور ان کی دیکھا کئی دیگر اقوامِ عالم کی موجودہ سیاست کی بنیاد ہے۔ یورپ نے اس نسخہِ کیمیا کو اس قدر کامیاب قرار دیا کہ ان کے آئینہ فکر میں قوی محبت (Solidarity) کو شرفِ انسانیت کی انتہا تصور کر لیا گیا ہے۔ لیکن ہنگامہ نگاروں نے بالعموم ادویات کے بعد جنگِ دوم کے اسبابِ علل اور نتائج و عواقب نے بالخصوص اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ جیسے تریاق کھانا تھا وہ انسانیت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ چنانچہ اب دنیا میں مغرب اپنی اس سوت کی انٹی کو خود اپنے ہاتھوں سے بکھیرنے کی فکر میں ہیں۔ ڈاکٹر کھستے نے پچھلے سال لکھا تھا۔

قویتِ پرستی اطلاقِ تباہی کا موجب ہے کیونکہ یہ عالمگیریت کے تصور کے

منافی اور ایک خدا کے انکار پر مبنی ہے اور انسان کی قیمتِ حیثیتِ انسان

کچھ نہیں سمجھتی۔ دوسری طرف یہ لفرقہ انگیزی کا موجب ہے، اذیت اور تکبر

پیدا کرتی ہے، باہمی نفرت بڑھاتی ہے اور جنگ کو نہ صرف ضروری قرار

دیتی ہے بلکہ مقدس بھی ٹھہراتی ہے۔

اب اس مسئلہ کا حل یہ سوچا جا رہا ہے کہ مختلف اقوام کے گروہوں کو ملا کر متحدہ حکومتیں قائم کی جائیں

حتیٰ کہ تمام اقوامِ عالم کی ایک مشترکہ حکومت قائم ہو جائے۔ چنانچہ اقوامِ یورپ کو ایک گروپ بنانے کی تجویز

یا مجلسِ اقوامِ متحدہ اور ان کی حفاظتی کونسل کا قیام، یونٹڈ ونگ کی One World کا تصور ایسی انتہا کا

نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال اقوامِ مغرب کے موجودہ تصوراتِ حیات کے ماتحت عملی طور پر اس کا امکان ہرگز

ہو نہ نظری طور پر اب بھی سمجھا جانے لگا ہے کہ اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ تمام دنیا کو ایک برادری تصور کر کے آج کے

قدنی مسائل کی پیچیدگیوں کا حل سوچا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر GAILD اپنی کتاب *Time and*

Man, Nature میں لکھتا ہے

اب جو چیز باطلِ فطری نظر آتی ہے کہ تمام نوعِ انسانی کی ایک منظم برادری قائم

کی جائے۔

یہ ہے وہ حل جس تک زمینِ انسانی بیسیویں صدی تک پہنچ سکا ہے۔ لیکن آج سے چودہ سو سال

پیشتر جبکہ وینا کی یہ حالت تھی کہ ایک گاؤں کے رہنے والے دوسرے گاؤں کے باشندوں سے بھی

بمشکل واقف ہو سکتے تھے قرآن نے یہ بتایا کہ *كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قَبَعَتِ الرَّسُلُ الْعِيسَى*

مَبَشِيْرِيْنَ وَ مُمْتَدِيْنَ بِرَبِّهِمْ - چونکہ تمام نفع انسانی کو ایک قوم ہی کو کرنا ہے اس لئے اس مقصد کے پیش نظر کہ ان مفاہکے باہمی تضادم سے فساد کی چنگاریاں نہ اُبھریں جس لئے ایسی تعلیم بھی جس پر عمل میرا ہونے سے فساد کا امکان نہ رہے۔ چنانچہ اُس نے حضرات انبیائے کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد جو اس تعلیم کے حامل تھے و ظاہر کہ اِن هٰذِهِ اُمَّتِكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ - تمہاری اُمت ایک اُمت واحدہ ہے اور ان کی وجہ جامعیت اس حقیقت پر ایمان کر ان سب کا پروردگار ایک ہے، اور اس وحدت انسانی کی عملی شکل اس طرح قائم رہ سکتی ہے کہ کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کا حق حاصل نہ ہو، سب انسان خدا کے قانون کے حکوم رہیں۔ تعلیم اپنی آغری شکل میں قرآن کا لُحْدے انسانوں تک پہنچے جس کا مقصد تمام نفع انسانی کو ایک برادری تصور کر کے، جمعیت اقوام کے بجائے جمعیت آدم کی عملی تشکیل کرنا ہے۔ اگرچہ اسلام کے تمام احکام اور فرائض اسی نقطہ کی طرف قدم اٹھاتے ہیں لیکن اس کی تکمیل حج کے اجتماع میں ہوتی ہے۔ جو اسلام کا آخری رکن ہے۔

حج سے مفہوم یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا امتیاز وطن و زبان جو اس نصب العین پر ایمان رکھتے ہوں کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، حکومت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے جو فطرت انسانی کا ترجمان ہے، اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں۔ یہ نمائندے اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی ذریعہ قیادت مرکز وحدت انسانیت یعنی کتبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں۔ عرفات کے میدان میں ان تمام نمائندگان کا باہمی تقارن ہو۔ پھر یہ تمام امرائے ملت اپنے میں سے ایک امیر اللہ راہ کا انتخاب کر لیں اور مختلف ممالک کے احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتب کریں جو آئندہ سال کے نئے اصولی طور پر بلور مشترکہ پالیسی اختیار کیا جائے اور جہاں وصلات انسانیّت کا ضامن اور فلاح دہ سعادت آدمیت کا کھیل ہو۔ ان کا منتخب کردہ امام اپنے منصب حج میں اس پروگرام کا اعلان کر دے جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد یہ تمام نمائندگان مقام منیٰ میں جمع ہو کر اس اصولی پروگرام کی تفصیلات و جزئیات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ ایک دوسرے ملک پر اس کا عملی اثر اور رد عمل کیا ہوگا۔ وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں اور دعویٰ اور فیصلہ فیتن بھی جس کے لئے قربانی تجویز کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ نمائندگان اپنے اپنے ملکوں میں واپس آجائیں اور اُس نے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے لوگوں کو چلائیں۔ یہ ہے وہ عملی طریقہ جو قرآن کریم نے تمام نفع انسانی کو ایک اُمت واحدہ بنانے اور ان کے تمدنی مسائل کا حل تجویز کرنے کے لئے بتایا ہے۔ قرآن حکیم نے حج کے اس مقصد اور غایت کو دو مقامات پر دو دفعات میں بیان کر دیا ہے۔ آپ ان مختصر کلموں کی جامعیت پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ کسی اجتماع کی غایت اس سے بلند اور گہری امتاز ایمان اس سے زیادہ بیخ بھی ہو سکتا ہے؟ ایک جگہ ارشاد ہے کہ حج کے اجتماع سے

مقصود یہ ہے کہ **لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ وَإِنسَانًا فَاعْلَمُوا** تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اس میں ان کے لئے کس قدر فائدہ ہے۔ اور اسکی غایت یہ قیامًا للناس۔ یعنی اس سے دنیا میں انسانیت قائم رہے۔

غور کیجئے! کیا دنیا میں کسی کانفرنس، کسی پہلی کسی پارلیمنٹ، کسی اجتماع کا مقصد اس سے بلند بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اجتماع دنیا میں شرف انسانیت کے قیام کا باعث ہو۔ قیامًا للناس کسی خاص قوم، خاص جماعت خاص ملک خاص ملت کے قیام کا باعث نہیں بلکہ تمام نفع انسانی کے قیام کا باعث! یہ ہے حج کے اجتماع کا مقصد۔ یعنی قیامًا للناس۔

کہا جا سکتا ہے کہ آج اقوام متحدہ کی مجلس (U.N.O) کے اجتماعات میں تمام دنیا کی قوموں کے نمائندے جمع ہوتے ہیں اور ان کے سامنے بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ دنیا میں امن و سلامتی رہے۔ پھر یہ اجتماعات اپنے مقصد پیش نظر نہیں کامیاب نہیں ہوتے اور حج کے اجتماع میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی بناء پر وہ اجتماع ایسے بلند اور خوشنہدہ مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے، حج کے اجتماع میں فی الواقعہ ایک خصوصیت ہے، اور وہ خصوصیت، ایک بندہ مومن کی اس اہم و پیمان کی جو وہ اپنے خدا سے باندھتا ہے اور جس کی تجدید حج کا نقطہ آغاز ہے۔ ایک عبد مسلم اپنے خدا سے اقرار کرتا ہے کہ **إِن صَلَّاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ فقط اللہ کے لئے ہے کسی اور غرض کے لئے نہیں۔ اور چونکہ اللہ کی ذات، تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے اس لئے عہد و پیمان سے مقصود یہ ہے کہ میری تمام جد و جہد زندگی اور تقاضے شرف انسانیت کے لئے ہے۔ یہ ہے وہ اقرار جس کی تجدید، اس اجتماع عظیم سے پہلے، تمام نمائندگان نہایت فداکارانہ انداز سے خدا کے گھر، یعنی بیت جنیفہ کے مرکز حوس کے گرد گھوم کر کرتے ہیں اور اس طرح زمین و آسمان کو اپنے اس عہد پر گواہ ٹھہراتے ہیں۔ اس نصاب العین کو دل میں لئے ہوئے یہ نمائندگان نفع انسان، انسانیت کی فلاح و سعادت کا پروگرام مرتب کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا عہد باندھتے ہیں۔ یہ ہے وہ خصوصیت جو دنیا میں کسی اور اجتماع کو حاصل نہیں۔ لہذا وہ اجتماعات، بلند آہنگ دعویٰ کے باوجود، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے نہ اچانک کچھ کر سکتے ہیں نہ آئندہ کر سکیں گے۔ پہلی جنگ کے بعد اقوام مغرب نے جمعیت الاقوام (League of Nations) کی طرح ڈالی لیکن علامہ اقبال کے الفاظ میں کفن چروٹوں کی یہ جماعت بری طرح سے ناکام ہوئی۔ واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اس کے متعلق (R. Eves) اپنی کتاب (The Anatomy of Peace) میں لکھتا ہے کہ "یگ آن میشنز کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ بین الاقوامیت کے غلط تصور پر قائم کی گئی تھی اور اس کا خیال تھا کہ دنیا کے مختلف قوموں کے نمائندوں کو یکجا کر کے، باہمی بحث و تمحیص سے دنیا کا امن قائم رکھا جا سکتا ہے۔" دوسری عالمگیر جنگ کے بعد اقوام مغرب نے، پھر اپنے ناکام تجربے کو دہرایا ہے اور کچھ بیا ہے

کہ ایک آئینیشنز کا نام (United Nations Organisation) دینے سے کامیابی ہو جائیگی۔ جمعیت اقوام متحدہ کو سب سے بڑی طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ابھی دو چھتے ہوئے لندن کے اخبار ڈی ٹیلی گراف نے لکھا ہے کہ "جمعیت اقوام اپنی موجودہ ہیئت میں من عالم کے لئے سخت خطرہ کا موجب ہے۔ اس لئے اسے فوراً ختم کر دینا چاہئے۔ اور اسکی وجہ (reason) کے الفاظ میں یہ ہے کہ ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے وہ قوموں کے باہمی تعلقات کا مسئلہ نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نیشنلزم نے انسانی معاشرہ میں جو بھجان پیدا کر رکھا ہے اسے کس طرح دودھ کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بھجان نیشنلزم یا انٹرنیشنلزم کے ذریعے دودھ نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ نوع انسانی کی برادری ہے نہ کہ بین الاقوامیت، یعنی وہی چیز جس کو علامہ اقبال نے آج سے بہت پہلے ان الفاظ میں کہا تھا کہ۔

- اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام + پوشیدہ نگاہوں سے ہی وحدت آدم
- تفریق علی حکمتِ افرنگ کا مقصود + اسلام کا مقصود فقط امتِ آدم
- مکھنے لے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیچیدہ نام + جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

جج سے مقصود اسی "جمعیتِ آدم" کی تشکیل تھا۔ اس جج پر نگاہ رکھئے اور پھر اس جج پر جو آج چند سو مل کلبے بان اور بے مقصد مجبورین کر رہ گیا ہے۔ لیکن اس آئین کن میں آج بھی وہی روح پیدا کی جا سکتی ہے جو انسانیت کے شرف کی کفیل ہے۔ آج عالمِ اسلامی چاروں طرف سے مصائبِ ازل سے گھرا ہوا ہے۔ غیر نسانی قوتیں ان کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ دنیا کے نقشہ پر کہیں ان کا نشان نہ رہنے پائے۔ مسلم اقوام کے نمائندے مختلف ممالک پر کانفرنسیں منعقد کر رہے ہیں کہ باہمی اتحاد سے ان مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تمام اسلامی ممالک میں اخوت اور روابط کی قمرکس چلائی جا رہی ہیں۔ باہمی مل ملاپ کے سیتے دھونڈے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہر جگہ ہے لیکن کسی کی نگاہ اس طرف نہیں اٹھتی جو فریقِ ربوہ اخوت ہمارے لئے خدا نے ہمارے لئے متین کیا تھا جس سے ہمارے دلوں میں استقامت اور نگاہوں میں یکجہی پیدا ہو جاتی تھی ہم اے ایک یکایک رسم بنائے ہوئے ہیں اور اس میں وح پھرنے کی کوئی تجویز نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم دیگر اقوام عالم کی تقلید میں کانفرنسیں طلب کرتے ہیں گے ہماری کانیائیاں انہی کے جیانوں سے ناپی جائیں گی۔ لیکن جس وقت اپنے اللہ سے بھلا ہوا ہر اہم ہوا اور پھر اسی مرکز کو زندہ کر دیا جس کی زندگی سے تمام نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے، اقوام عالم کی امت ہمارے حصہ آئیگی۔ ہماری زندگی کے چہنے کی سوتیں وراثت کے منبر سے پھر میں گی اور اسی سے ہماری کشت حیات سرسبز و شاداب ہوگی۔ آج مسلمانان عالم کو جج کا فریضہ بکار بکار کر رکھ رہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
 نیل کے سال سے لیکن تاجنات کا شغف

انجن افلاک

رات افلاک پہ تھی انجن روح و ملک
مرکز دائرہ میں عرش جلال لاهوت
دائیں جانب دب آموز رسول کی قطار
جنت سامعہ آوازہ سبحان اللہ

نور و تقدیس سے معمور تھا ایوان فلک
ارد گرد اس کے صف راستہ بل ملکوت
بائیں پہلو میں دلی اور صفی سجدہ شمار
جلوہ اقر و زہر حال و بہر شان اللہ

سامنے کی طرف اک نور کا دروازہ کھلا
یہ ستانی ہیں، یہ رومی ہیں، یہ عطار آئے
ایک ہندی بھی ہے اس قافلہ میں بل کمال
خیر مقدم کیا جبریل نے بڑھ کر ان کا
پیر رومی نے کہا کہ ہے تو محرم راز
”آہا ہے حرم قدس میں ناری کیلئے
لمحہ بھر چھپ کے نمودار ہونے رح میں
اٹھے اقبال، بڑھے، جھک کے ہوئے سجد گزار

اس سے دُخل ہو چکے لوگ کہ یہ ہیں شعرا
یہ عراقی ہیں، یہ سعدی گہر بار آئے
زندہ رُو د مسکایا ہاں نام اور اقبال
اور دریافت کیا، آنے کا مقصود ہے کیا؟
ساغر ہندی ساغوش صہبائے حجاز
طالب ذن ہے کچھ عرصن گزار کیلئے
اور کہا، اذن ہوئے خطہ مشرق کے مکین
اور کھولی پیش دل سے زبان گفتار

”جبرأت آموز میری تاب سخن ہے مجھ کو“

”شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو“

شکوہ اور اس میں جگر تباہ حرارت ہیہات!

انبیاء ہیں متحیر کہ یہ نادان ہے کیا

سر کیا شکوہ تو پھر ختم ہی کر کے چھوڑا

چھا گیا عالم افلاک پہ افسون سکوت

نہ وہ تسبیح کی آواز نہ تقدیس کا جوش

ناگہاں ایک ندا غیب سے مسموع ہوئی

لے کہ تو مسلم ہندی کی دکالت کو اٹھا!

تیری اس شغنی گفتار میں ہر سوز دوز

”تیرا شکوہ ہے پسند اور تری فریاد قبول

ہم کو منظور ترا جذبہ دین، عشق رسول“

[دیکھ کر رنگ چہن ہو نہ پریشاں مالی

[حسن و خاشاک سے جو تباہی گلتا خالی

{ رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے

{ یہ نکلے ہوئے سورج کی افق تابانی ہے

تم کو ہم دیتے ہیں زندانِ فرنگی سے نجات

شان ہم دیتے ہیں، عزت بھی تمہیں دیتے ہیں

حرم و حدن، جیل و زہر پہ قالیض، مہجاؤ

پس آرمِ خاکی کی جسارت ہیہات!

اور فرشتوں کو ہے لرزہ کہ یہ انسان ہو کیا

میں گفتار سے پیمانے کو بھر کے چھوڑا

مخمل قدس ہوئی منزلِ ہامون سکوت

ایک منظر تھا ہییب ایک فضا تھی رہوش

کوثر نور میں اکٹ موج تکلم اٹھی

ترجمانی کا جو حق تھا وہ ادا تو نے کیا“

مادروں رانگر انیم و نہ سنسیم و بردوں

[کو کب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی

[گل انداز ہر خون شہد کی لالی

اور اس قوم سے ہیں حسین کے خدالات منات

جاہ و تمکین حکومت بھی تمہیں دیتے ہیں

دشت و صحرا، چمن و شہر پہ قالیض ہو جاؤ

اہل ثنابت کو اپنے کو تم اس دولت کا امتحاں ہے یہ تمہاری خرد و حکمت کا

{ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے }
{ نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے }

اپنے اسلاف کی شہراہ پہ چل کر دکھلاؤ اور ابلیس کے پھندوں سے نکل کر دکھلاؤ

عہد صدیق و عمر، سادگی و ہشیاری وہ عدالت، وہی اخلاق، وہی ہنری

می شود مملکت شما، ملک نیاگان شما

بہ زرتیا برس دست گنگر ایوان شما

{ قوت عشق سے ہر لپٹ کو بالا کر دو }
{ خیمہ افلاک کا استادہ اسی بنا کر ہے }
دہر میں نام محمد سے اجالا کر دو
نبض ہستی تپش آمادہ ہی بنا ہے

علماء پر خدا، داعی الی الخیر بنین

فوج میں جذبہ سر بازی و خود داری ہو

ملک میں ایک بھی غدار نہ رہنے پائے

راست بازی ہو شعارا اور دیانت ہو چلن

سستی دشیدہ کہ پنجابی و افغان ہو تم

یہ کوئی فرق نہیں محض مسلمان ہو تم

{ ایک ہے منفعت اس قوم کی نقصان بھی ایک }
{ ایک ہی سب کا بنی، دین بھی، ایمان بھی ایک }
{ حرم پاک بھی اللہ بھی ستر آن بھی ایک }

وقت ہو وقت کہ ہو جائیں مسلمان بھی ایک

عرشی

نوٹ خطوط و صفائی کے اندر دنی اشعار جمابہ سکونہ حضرت علامہ سے لئے گئے ہیں

باب ۱۱۱۱ اسدائت

بہا کرم ذیل کا خط اور میرا جواب، طلوع اسلام میں شائع کر کے شکر گزار فرمائیں

پسندیدہ

نماز

خط ۱۔ پچھلے کسی پرچہ میں زکوٰۃ کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ قرآن نے چونکہ اس کے نصاب کی مقدار متعین نہیں کی تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر زمانے میں وہ حکومت جو قرآنی اصولوں کے مطابق اور اسلامی سیرت کے حامل حکمرانوں سے بنے گی۔ وہ اپنا نصاب مقرر کرنے میں آزاد ہوگی۔ جس چیز کی حد قرآن مجید نے مقرر نہیں کی اس پر بشر اس لئے مسرہزنا کہ آں حضرت (معلم) کے زمانے سے لیکر آخر تک تمام مسلمانوں کی حکومتوں میں ایسا ہی دستور رہا ہے یا فقہوں نے ایسا ہی فیصلہ صادر کیا ہے۔ آپ کے نزدیک غلط ہے۔

لیکن اس کے ساتھ دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے۔

(۱) قرآن مجید میں نماز کی تاکید موجود ہے۔ لیکن اس کے اوقات، تعداد، ارکان اور ادائیگی کی تفصیل موجود نہیں۔ جماعت اہل قرآن نے اسی بنا پر کوشش کی کہ نماز چمکانہ کا حوازی قرآن سے نکالا جائے۔ ان کا عمل کی کمزوری کی ایک صریح علامت یہ ہے کہ ان میں ہی کا ایک گروہ صرف تین نمازوں کا قائل ہو سکا۔

(ب) اوقات نماز کا بھی یہی معاملہ ہے۔

(ج) نماز کے ارکان اور اس کی ادائیگی کی تفصیل بھی بڑا دقت طلب معاملہ ہے۔ اگر حدیث صرف تاریخ دین ہے اور دین نہیں جو قابل پیروی یا اطاعت ہو تو رکوع و سجد کی ترتیب بدلی جاسکتی ہے۔ سجدہ ایک بھی کافیا ہو سکتا ہے۔ رکعتوں کا تعین بھی انفرادی یا مجموعی فیصلے پر ہر زمانے میں بدلا جاسکتا ہے۔ سورہ فاتحہ کے علاوہ جو کچھ بھی نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کی جگہ جو چیز قرآن سے مناسب سمجھی جائے تلاوت کی جاسکتی ہے چنانچہ اہل قرآن کے ایک گروہ نے موجودہ طریقہ تلاوت نماز کو بدل کر مولوی عبداللہ مرحوم کے قائم کردہ طریقہ تلاوت کو ترجیح دی ہے۔

اہل قرآن کا ذکر بار بار کرنے سے میرا یہ طلب ہرگز نہیں کہ آپ کا سلک ان کا سا ہے کیونکہ مجھے یاد ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں میں اس مسلک سے علیحدگی کا اظہار کیا ہے۔ مفہوم صرف یہ ہے کہ صرف قرآن مجید تک محدود رہنے سے یہ حالت پیدا ہو سکتی ہے تا

کافی عرصہ ہوا کہ میں نے آپ کا پمفلٹ "نسبت پرستی پڑھا تھا۔ اب ان شکوک کو لکھتے ہوئے میں نے وہ رسالہ تلاش کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں گم ہو گیا ہے۔ اس لئے میں حافظہ کی مدد سے لکھ رہا ہوں۔

اس رسالہ میں آپ نے کہا تھا کہ نماز کا معاملہ تو اتار سے حل ہو سکتا ہے۔ چونکہ ساڑھے تیرہ سوال سے نماز اسی پنج پر پڑھی جاتی رہی ہے اس لئے آج بھی ہمیں اسی طرح پڑھنی چاہیئے۔

اگر نماز کے معاملہ میں تواتر کی دلیل صحیح ہے تو ذکوۃ میں کیوں نہ ہو؟ براہ مہربانی اس تضاد کو رنہ کرنے میں مدد دیجئے۔

بشیر احمد دار لاہور

جواب:-

میں نے اپنے مضمون میں جو کچھ لکھا تھا وہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن قوانین کا عرف اصولی ذکر فرمایا ہے اور ان کی جزئیات کو متعین نہیں کیا، ان جزئیات میں زمانہ کے بدلنے والے تقاضوں کے ماتحت تبدل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس تغیر و تبدل کا مجاز کوئی فرد یا افراد کی جماعت نہیں ہو سکتی بلکہ یہ حق صرف جانشینانِ رسولؐ کہ حاصل ہے۔ اور جانشین رسول اللہؐ سے مراد ہے وہ حکومت جو قرآن چلانے کے لئے، قرآنی اصولوں کے مطابق عمل میں آئی ہو۔

سب سے اول تو یہ دیکھئے کہ اس میں بحث قوانین سے ہے، عبادات سے نہیں۔ کسی قانون کی جزئیات میں، زمانہ کے بدلنے والے تقاضوں کے ماتحت، رد و بدل کی ضرورت بالکل واضح ہے، لیکن عبادات میں یہ ضرورت بالکل شاذ ہے۔ مثلاً نماز اور ذکوۃ ہی کو لیجئے۔ ذکوۃ (یعنی حکومت کے ٹیکس) کی شرح میں تغیر و تبدل کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نظر نہیں آتی۔ اس کے برعکس نماز کو لیجئے تو زمانے کے تقاضے ذاتی رجحانات نہیں بلکہ زمانہ کے تقاضے) اس کی جزئیات پر کہاں اثر انداز ہو؟ وہ کوئی ضرورت ہوگی جو اس کی مقتضی ہو کہ رکوع میں سبحان ربی اعظیم کی جگہ سبحان اللہ تعالیٰ عمراً یصفون کہا جائے۔ یا سجدہ، دو رکعتوں کی بجائے ایک ہی ہو۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ ارکانِ صلوٰۃ، قیام، رکوع، سجدہ، اوقات، رکعات، وغیرہ کے متعلق خود قرآن میں ایسی تصریحات موجود ہیں کہ ان کے بغیر نماز کی ترتیب میں رد و بدل کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے

لیکن بایں ہمہ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ نماز کی موجودہ جزئیات میں بھی، مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں اختلافات موجود ہیں۔ ہر جذبہ اختلافات بہت جبری سے ہیں۔ لیکن جب ہم جزئیات سے بحث کر رہے ہیں تو ان اختلافات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کے مطابق اسلامی

حکومت کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان اختلافات کو تدریجاً مٹائی چلی جائے جو مسلمانوں میں فرقہ بندی اور گروہ سازی کی دیواریں بن کر کھڑے ہیں۔ اگر رسول اللہ کے بعد آپ کی جانشینی کا مسئلہ قائم رہتا تو یہ نرتے وجود ہی میں نہ آتے کیونکہ رسول اللہ نے ملت واحدہ کو چھوڑا تھا، فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی قوم نہیں چھوڑی تھی۔ اس مقصد کے پیش نظر اگر وہ حکومت، نماز کی ایک متفقہ علیحدگی سے متعین فرمائی تو اس میں موجودہ اختلافی جزئیات میں رد و بدل ناگزیر ہو گا۔ لیکن بایں ہمہ جو شکل اس حکومت قرآنی کی طرف سے متعین ہوگی وہ شرعی نماز ہوگی۔

لیکن جس حالت میں ہمارے ہاں قرآنی حکومت نہ ہو اور آج سے سال بھر پہلے تو ہمارے ہاں کسی قسم کی بھی اپنی حکومت نہ تھی (تو اس میں تشمت و انتشار کو روکنے یا کم کرنے کے لئے ہی صورت ہو سکتی ہے کہ بجائے اس کے کہ ہر فرد اور ہر جماعت اپنی اپنی مرضی کے مطابق طریقے وضع کرتی جائے، جس حد تک ہم مطمئن ہو سکیں کہ فلاں عمل جہد رسول اللہ والذین معہہ سے ہم تک علی التواتر آ رہا ہے۔ اسے علی حالہ قائم رکھا جائے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے باعث ہندوستان میں (اور آج بھی) جب تک قرآنی حکومت کا قیام نہ ہو، مسلمانوں کے لئے یہی راہ، سلامتی کی سمجھتا تھا اور سمجھتا ہوں) کہ جو اعمال ملت میں تواتر سے چلے آ رہے ہیں، انہیں علی حالہ رہنے دیا جائے بشرطیکہ وہ قرآن کے کسی واضح حکم سے ٹکرائے نہ رہے ہوں۔ اس سے قوم مزید انتشار و خلفشار سے بچ سکتی ہے۔

اہل قرآن کی بنیادی غلطی میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ ان احکام کی جزئیات، بھی قرآن سے متعین کرنے لگ گئے۔ جن کا صرف مولیٰ حکم قرآن نے دیا ہے۔ اس کا نتیجہ سوائے تیاس آرائیوں کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ پھر جن تیاسات پر یہ لوگ اس طرح سے پہنچے، وہ قوم کے لئے فیصلہ کی حیثیت تو نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہ حق، جیسا کہ میں نے بار بار کہا ہے، صرف حکومت قرآنی کو حاصل ہے۔ میں دینی لائحہ عمل کے دور میں، اعمال متواترہ کو ایسے انفرادی تیاسات سے انب سمجھتا ہوں۔

میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں نے قوانین اور عبادات میں جو اہل فرقہ کیا ہے تو وہ محض اس بات کو سمجھنے کے لئے کیا ہے کہ مواخذہ کریں زمانہ کے تفسیرات سے رد و بدل کی ضرورت شاذ ہی ہوتی ہے۔ اس سے نہ سمجھ لیا جائے کہ قوانین کا تعلق ہماری دنیاوی زندگی سے ہے اور عبادات کا تعلق آخرت سے یا قوانین مادی دنیا سے متعلق ہیں اور عبادات روحانی دنیا سے۔ اسلام میں دنیا اور آخرت اور مادہ اور روح میں کوئی امتیازی خطوط نہیں۔ اس کی عبادات اس کے قوانین اور اس کے قوانین اس کی عبادات ہیں۔ ہر قرآنی قانون کی اطاعت عبادت ہے اور ہر عبادت، زندگی کے لئے خود ایک قانون کا درجہ لئے ہوئے ہے۔ آی

ہجرت سے آپ بھنا چاہیں تو جس اصول کا میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے، وہ قانون اور عبادات و دنوں پر منطبق ہو گا۔ یعنی اگر عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھینسی کی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانہ کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ رد و بدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔ ہماری دشواری یہ ہے کہ جب ہم اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو رد و بدل کا تصور کرتے وقت ہماری موجودہ حکومت کے اربابِ حل و عقد ہماری نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور اس تصور سے ہماری روح کانپ اٹھتی ہے کہ ان لوگوں کو یہ حق دیدیا جائے کہ یہ ان احکام میں تغیر و تبدل کر دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے تھے؛ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ حق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو پہنچا ہے اور کسی کو نہیں۔ اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم میں تبدیلی کا خیال کریں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اسی وقت ایسا کریں گے جب وہ دل کے پورے اطمینان و یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ اگر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو وہ خود اپنے اس حکم میں ایسی تبدیلی فرمادیتے۔ یہ تمام الجھاؤ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

والسلام

—:—

ایک صاحبِ دیانت فرماتے ہیں۔

قربانی

براہِ کرم مطلع فرمائیے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جو قربانی دی جاتی ہے اس کی دینی حیثیت کیا ہے؟ اس باب میں اگر میں ذرا جرات سے کام لوں تو امید ہے کہ آپ براہین نہائیں گے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ قربانی، حضرت خلیل اکبرؑ کی یادگاہ ہے جسے قرآن نے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ تم ہر سال اس طرح جانور ذبح کر کے اس یاد کو سنایا کرو۔ پھر اس کی اصل کیا ہے؟ معانہ فرمائیے! اس کیفیت یہ پیدا ہو رہی ہے کہ مسلمان رقم از کم پڑھا لکھا طبقہ اسے محسوس کرتے ہیں کہ اس سے قوم کا ہمت سارو پیچھا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس احساس کو باہر نہیں بیان نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی شعائر اس لئے اس کے خلاف لب کشائی جائز نہیں۔ امسال کی عید پر جیسے اقتصادی معاملات پیچیدہ تر ہو چکے تھے۔ بیشتر افراد ملت کا اتنا نہ فارت ہو چکے۔ بے شمار گھروں میں بے خانماں اقربا اور یتیمی موجود ہیں۔ ان معاملہ کا دباؤ لا محالہ محسوس ہونا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر اس قسم کی سرگوشیاں اکثر سنی گئیں کہ "صاحب میرے ہاں تو اس قدر جہا جہا پڑے ہوئے ہیں۔ میں انہیں چھوڑ کر کس طرح قربانی دے سکتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو "چر" سا محسوس کرتے ہیں کہ قربانی نہ دینے سے وہ گنہگار ہو جائیں گے۔ میں خود بھی ان ہی "بھروسوں" میں سے ایک ہوں۔ اس لئے یہ دریافت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قربانی کی دینی حیثیت کیا ہے؟

جواب :- ہمارے سامنے جب یہ سوال آتا ہے کہ ظلم، ممالکی دینی حیثیت کیا ہے تو ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اس سے ذہنوں میں کس طرح کشمکش پیدا ہو رہی ہے اور ہمارے اقتصادی یا معاشرتی حالات پر اس سے کیا اثر پڑ رہا ہے۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اس باب میں خدا کا حکم کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب قرآن کا صحیح فیصلہ سامنے آتا ہے تو اس سے وہ تمام ذہنی کشمکش دور ہو جاتی ہے جو انسانوں کے بنائے ہوئے دین سے ہر فلسفہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اس فیصلہ سے ہمارے اقتصادی اور معاشرتی مسائل بھی خود بخود امداد پر آجاتے ہیں، اگر قرآن یہ کچھ نہ کرے تو وہ دین فطرت کیلئے ہو سکتا ہے۔ لہذا قربانی کے متعلق بھی ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس باب میں خدا کا حکم کیا ہے۔

یہ بالکل درست ہے کہ حضرت خلیل اکبرؑ اور حضرت اسمعیلؑ کے تذکار جلیلید کے ضمن میں قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ اس واقعہ عظیمہ کی یاد میں جانوروں کو ذبح کیا کرو۔ حتیٰ کہ حضرت اسمعیلؑ کی جگہ منیہٰ عاذبہؑ کرنے کا واقعہ بھی قرآن میں نہیں، تورات میں ہے۔

قرآن کریم میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے۔ جس نے اتفاق سے طلوع اسلام کی اسی اشاعت میں، محترم پرنس صاحب کی ایک تقریر شائع ہو رہی ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ حج کی حقیقت کیلئے اور اس سلسلہ میں قربانی کی کڑی کہاں اور کس مقصد کیلئے آئی ہے۔ عرفات کے میدان میں جب یہ تمام نمائندگان ملت ایک لاکھ عمل طے کر لیں گے تو اس کے بعد منی کے مقام پر دو تین دن تک ان کا اجتماع رہے گا جہاں یہ باہمی بحث و تھیس سے اس پر درگم کی تفصیلات طے کریں گے۔ ان مذاکرات کے ساتھ باہمی ضیافتیں بھی ہوں گی۔ آج صبح پاکستان والوں کے ہاں۔ شام کو اہل افغانستان کے ہاں۔ اگلی صبح اہل شام کی طرف۔ وہ جس علی ذالک۔ ان دعوتوں میں مقامی لوگ بھی شامل کر لئے جائیں گے، امیر بھی، غریب بھی۔ اس مقصد کے لئے جو جانور ذبح کئے جائیں گے قربانی کے جانور کہلا جائیں گے۔ چونکہ اس اجتماع کا مقصد نہایت بلند اور خالصتہً لوجہ اللہ ہے اس لئے اس پر درگم کی ہر کڑی خدا کے "قریب تر" لانے کا ذریعہ ہے۔ یہ ہے قربانی کی اصل۔ اسی لئے قرآن نے صراحت فرمادی ہے کہ قربانی کے جانوروں کی منزل مقصود یہ ہے اللہ ہے

ثُمَّ لِحَّتْهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (۲۳۳)

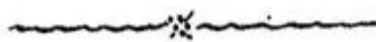
قربانی کے جانوروں کی منزل مقصود کعبہ ہے۔

مقام حج کے علاوہ، کسی دوسری جگہ (یعنی اپنے اپنے شہروں میں) قربانی کے لئے کوئی حکم نہیں۔ تاریخ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے بھی مدینہ میں قربانی نہیں کی۔ جب حج کے لئے خود تشریف لینگے ہیں تو وہاں جا کر قربانی کی ہے اور جب تشریف نہیں لے گئے تو اپنی طرف سے قربانی کے جانور، امیر الحاج کے ہاتھوں وہاں بھیجے ہیں۔ اس لئے

یہ ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے۔ اسی طرح حایوں کی وہ قربانیاں جو وہ آج کل کرتے ہیں محض ایک رسم کی تکمیل رہ گئی ہے۔ ایک ایک عالمی پانچ پانچ سات سات دنے انفرادی طور پر ذبح کر دیتا ہے اور چونکہ اس قدر گوشت کا مصرف کچھ نہیں ہوتا اس لئے ان ذبح شدہ جانوروں کو گڑھے کھود کر دبا دیتے ہیں۔

ذنا حساب لگائیے کہ اس رسم کے پورا کرنے میں اس فریب قوم کا کس قدر روپیہ ہر سال ضائع ہو جاتا ہے۔ ہم قومی اعداد و شمار کبھی نہیں رکھتے جس کی وجہ سے ہمیں معلوم ہی نہیں پڑتا کہ ہماری ملی متاع کس قدر ہے اور اس میں خسارہ کس قدر ہوتا ہے۔ لیکن جس قسم کی ہماری اقتصادی حالت ہے اس سے اتنا تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری قوم کس قدر غریب واقع ہوئی ہے۔ اب اگر آپ ایک کراچی شہر کو لے لیں تو اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں سے اگر پچاس ہزار نے ہی قربانی دی ہو اور ایک جانور کی قیمت تیس روپیہ بھی سمجھی جائے تو پندرہ لاکھ روپیہ ایک دن میں، ہفتہ ایک شہر سے ضائع ہو گیا۔ اب اس حساب کو پورے پاکستان پر پھیلائیے اور اس سے آگے ساری دنیا کے مسلمانوں پر اب پھر سوچئے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں!

لیکن اگر ہمیں سوچنا اچھلئے تو پھر ہماری بربادی کیوں ہو؟



قارئین طلوع اسلام میں سے ایک صاحب قمبر از میں:

غلام اور لونڈیاں میں نے ذیل کا خط محترم سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی خدمت میں بھیجا تھا۔

میں آپ کے اس مطالبہ سے متفق ہوں کہ پاکستان میں شریعت کا نظام نافذ ہونا چاہیے۔ اس بات میں دو ایک باتیں دریافت طلب ہیں جن کی وضاحت کے لئے یہ عرضہ ارسال خدمت ہے امید کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

۱) سوال یہ ہے کہ کیا نظام شریعت میں جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنانے کی اجازت ہوگی؟ کیا ان غلام اور لونڈیوں کو فروخت کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا؟ کیا ان لونڈیوں سے بیویوں کے علاوہ متبع جائز ہوگا اور اس پر تعداد کی تو کوئی قید نہ ہوگی؟

۲) کیا اس نظام شریعت میں لونڈی و غلام کی خرید و فروخت (علاوہ ان لونڈی و غلام کے جو جنگی قیدی ہوں) بھی پاکستان کے اندر جائز ہوگی جس طرح آج کل حجاز میں بردہ فروشی ہوتی ہے۔

اس کے جواب میں مودودی صاحب کی طرف سے ذیل کا گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔

مکرمی و محرمی! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جو سوالات آپ نے کئے ہیں ان کا مختصر جواب تو ہاں اور ذہنیں کی شکل میں دیا جاسکتا ہے لیکن اس سے آپ کی تسکین نہیں ہوگی

لئے یہ گنجائش نہ چھوڑی جاتی کہ جس قیدی مرد یا عورت سے وہ عہدہ برائے ہو سکے اس کے حقوق ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کر دے تو یہ لوگ بلائے جان بن جاتے۔

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کے لئے (جبکہ نہ ان کا تہادہ ہو اور نہ فتنے کا معاملہ طے ہو سکے) اس سے بہتر صلہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں وہ دی جائیں اس کو ان کے ساتھ حسنی تعلق قائم کرنے کا قانونی حق دیدیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ عورتیں ملک میں بد اخلاقی پھیلنے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتیں۔ قانونی حیثیت سے "ملک عین" اور عقد نکاح میں کوئی خاص فرق نہیں ہے بلکہ "ملک عین" تو باقاعدہ حکومت کے توسط سے حاصل ہوتی ہے۔ جو عورت کسی کے ملک عین میں دی جائے اس کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا حسنی تعلق جائز نہیں ہے۔ جو اولاد اس سے ہوگی اس کا نسب اصل مالک ہی سے ثابت ہوگا اور وہ اپنے باپ کی اس طرح جائز وارث ہوگی جس طرح کسی آزاد بیوی کی اولاد۔ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے، اسے بیچنے کا مالک کو حق نہیں رہتا اور مالک کے مرنے کے بعد وہ عورت خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔

لونڈیوں سے تمتع کے لئے تعداد کی قید اس لئے نہیں لگائی گئی کہ ان عورتوں کی تعداد کا کوئی تعین ممکن نہیں ہے جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آسکتی ہیں۔ بالفرض اگر اسی عورتوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو جائے تو سوسائٹی میں انہیں کھپانے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے، اگر لونڈیوں سے تمتع کے لئے تعداد کا تعین پہلے ہی کر دیا ہو۔ لیکن بعد کے ادوار میں امر اور رد کے سارے آپ قانونی گنجائش کو جس طرح عیاشی کا حیلہ بنا دیا وہ ظاہر ہے کہ شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔ کوئی رئیس اگر عیاشی کرنا چاہے اور قانون کے منشاء کے خلاف قانون کی گنجائشوں سے فائدہ اٹھانے پر اترے تو نکاح کا ضابطہ ہی کب اس کیلئے رکاوٹ بن سکتا ہے۔ وہ روز ایک نئی عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور دوسرے دن اسے طلاق دے سکتا ہے۔

حجاز میں جو برہہ فردوسی آج کل ہوتی ہے اس کی تفصیل مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ہولی لڈ پر میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ جنگ کے سوا کسی دوسرے طریقے سے آزاد آدمیوں کو پکڑنا اور ان کو خرید و فروخت کرنا شریعت میں حرام ہے۔ والسلام

بقلم ابو صالح اصلاحی حکیم حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔

محترم مودودی صاحب نے میرے مستفسر سارات کا جواب نفی یا اثبات میں نہیں دیا۔ لیکن ان کے خط سے ظاہر ہے

کہ ان کے نزدیک اسلام میں جنگ کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت ہے۔ ان غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان لونڈیوں سے تمتع بھی جائز ہوگا اور اس پر تعدا کی کوئی قید نہیں ہوگی۔

اس کی تائید میں انہوں نے ۴ دلائل بیان فرمائے ہیں کم از کم میں تو ان سے مطمئن نہیں ہوا۔ میرا تو اس تصور سے دل کا پٹنا ہے کہ اسلام جو دنیا سے غلامی مٹانے کا دعویٰ ہے وہ خود انسانوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کی اجازت دیتا ہو۔ لیکن چونکہ یہ معاملہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے گزارش ہے کہ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ کیا میں مودودی صاحب کے خط سے جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ درست ہے اور آیا اسلام کی یہی تعلیم ہے؟ جواب خواہ براہ راست مجھے تحریر فرمادیں خواہ طلوع اسلام میں درج فرمادیں۔

والسلام

طلوع اسلام

پہلے بھائی نے مودودی صاحب کے خط سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ وہ اس کے قابل ہیں کہ اسلام میں ہیران جنگ کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاسکتا ہے۔ ان غلاموں اور لونڈیوں کو فروخت بھی کیا جاسکتا ہے اور ان لونڈیوں سے، بلا قید نکاح و تعدا، جنسی تعلقات بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ باقی رہے ان کے دلائل تو وہ یقیناً اسطو کے ان دلائل سے زیادہ رقیع اور قوی نہیں ہیں جو وہ نفس غلامی کے حوازیلکیر و حرب میں دیا کرتا تھا۔ کہتے ہیں اس کے پاس ستر غلام تھے اور وہ غلامی کے وجوہ میں اتنے ہی دلائل رکھتا تھا جنہیں ناقابل تردید سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یونان کو اسطو کے دلائل لے ڈویے اور اسلام کو مودودی صاحب جیسے فقہا کی منطق۔

حذر لے چہرہ دستاں؛ سخت میں نظرت کی تدبیریں

جہیں اس اضطراب کی علت بھی معلوم ہے جس کی وجہ سے مودودی صاحب کو اس سیدھے سادے جواب کے لئے دلائل و مصالح کے سہارے تلاش کرنے پڑے، خواہ وہ دلائل و مصالح خود سہاروں کے محتاج ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ علت یہ ہے کہ ایک طرف ان کا دامن روایات کی خار و درجھاڑیوں سے الجھا رہا ہے اور دوسری طرف وہ ماڈرن بھی بننا چاہتے ہیں۔ لہذا کٹکٹ لازی ہے

ایماں بھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر

کہہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

طلوع اسلام خدا کے عطا فرمودہ دین کو ہی دین سمجھتا ہے جو نظرت انسانی کا صحیح ترجمان ہونے کی وجہ سے خدا و جبروت کی کشمکشوں سے بلند ہے۔ وہ جس قدر فرست بھی حاصل کر سکنے کی استطاعت... رکھتا ہے، خدا کی کتاب میرے حاصل کرتا ہے، اس لئے اسے ان امور میں کبھی الجھاؤ پیدا نہیں ہوگا۔

قلندہر جزوہ حرف لالہ کچھ نہیں رکھتا

قیقہر شہرت روں ہے لغت ہائے حجازی کا

قرآن میں اسیران جنگ کے متعلق سورہ محمد کی ایک ہی آیت میں حکم ہے اور اس آیت کے چار لفظوں نے معاملہ کو صاف کر کے رکھ دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ جنگ میں جو قیدی تمہارے ہاتھ آئیں

فَاِمَّا مِّنَّا لِقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

انہیں قیدیہ لیکر چھوڑ دو یا احسان رکھو

انڈائنڈ فیر سلا۔ باقی رہی وہ مدت جس میں وہ بطور قیدی تمہارے پاس ہیں، تو ظاہر ہے کہ وہ انسان ہیں احسان انسانوں جیسا سلوک رو رکھا جائے گا۔ کسی سے انسانیت سے گرا ہوا سلوک، خود مسلمان کے شہار اور حسن فطرت کے خلاف ہے جو خدا پر ایمان، مسلمان کے انذار جا کر کرتا ہے۔ کسی انسان پر دوسرے انسان کا حق ملکیت، بیکس فیر نظری ہے۔ اسلام پر شرف انسانیت اور احترام آدمیت کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا اس کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی ملکیت میں دیدینے کی اجازت دیدے اور اس کے لئے راہیں کشادہ کر دے۔ غلامی ہی کو کہتے ہیں اور اسلام کا دائرہ تقدس ان اہتمامات سے بیکس پاک ہے، جو اس کے دشمنوں نے دینی روایات کے راستے اس پر لگائے اور آج ہماری شوخی قسمت سے ہمارا دین بن چکے ہیں سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون۔

قرآن میں ملک بین رعلا موں اور لونڈیوں کے متعلق جس قدر احکام ہیں وہ ان غلاموں اور لونڈیوں سے متعلق ہیں جو اس وقت عربوں کے ہاں موجود تھے اور جنہیں آہستہ آہستہ ان احکامات کی رو سے جزو سوسائٹی بنایا جاسکتا تھا۔ اس نے انہیں اس طرح بتدریج معاشرہ اسلامی میں جذب کیا اور آئندہ کیلئے غلامی کے دروازے اس حکم کی رو سے بند کر دیئے جس کا ذکر ادھر آچکا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی ملکیت نے ان دروازوں کو ایک ایک کھٹکے پھر سے کھول لیا اور قیامت بالائے قیامت، کہ اس ننگ انسانیت مسلک کو دینی روایات کی رو سے ہنسنا کر دیا اس ذلت اقدس و عظیم کی طرف جس کے ظہور کا مقصد ہی قرآن نے یہ بتایا تھا کہ وہ ان اطفال و سلاسل کو توڑنے کے لئے آیا ہے جس میں انسانیت جکڑی ہوئی آرہی تھی۔ ویضع عنہم امرھم والاعضال السقی کا ننت علیہم

موردی صاحب غلامی کی تائید میں دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آج کل جنگ کے قیدی میں قسم کے (Concentration Camps) میں رکھے جاتے ہیں اور ان سے وہاں جس قسم کا انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے اس سے بہتر ہے کہ انہیں غلام اور لونڈیاں بنا لیا جائے۔

ناظرہ سرگرمجریاں کہ اسے کیا کہئے!

اول تو یہ کہ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ قرآنی نظام بھی قیدیوں کے عبوری زمانہ میں کمپوں کی ہی حالت ہوگی جیسی آج کل کی ابلسی سیاست میں ہوتی ہے۔ اس نظام میں، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، انسانوں سے انسانوں جیسا ہی سلوک کیا جائے گا کہ وہ نظام ظلم روکنے کے لئے قائم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ کچھ اس کے کہ ہم ان (Camps) کی اصلاح کا کوئی طریقہ سوچیں جو مسلمانوں کے ہاں اسیران جنگ کے ہاں تیار کئے جائیں گے

ہم کہتے ہیں تو یہ کہ "اسلام" نے اس خرافی کا حل یہ بتایا ہے کہ ان کے مردوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں۔ کیا عمدہ اصلاح ہے؟ انسانیت اس پر ناز کرے گی اور دنیا کے قیدی اس احسانِ عظیم پر سجدہ ریز۔ جب وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے کہ ان کی بیویاں، بیٹیاں، بیٹیاں، ان مصلحتوں کی ہوس رانیوں اور عیشِ جویوں کا سامان بن رہی ہیں۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

فوجی سپاہیوں سے خدمت لینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اسی طرح دشمن قوم کی کسی عورت کو گھر میں رکھنا کوئی کھیل نہیں ہے۔

یعنی قیدیوں سے کام لینا مشکل ہے اور اسی طرح ان کی عورتوں کو گھروں میں رکھنا عید پر مقرر۔ لیکن انہیں جب غلام بنا لیا جائے تو پھر یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے اور ان کی عورتوں سے جب ان کے مردوں کے سامنے ان کی اپنی مرضی کے خلاف جنسی تعلقات قائم کر لئے جائیں تو اس سے وہ تمام حضرات رنج ہو جائیں گے جو دشمن کے قوم کے افراد ہونے کی بہت سے ان کی طرف سے وارو ہو سکتے تھے!

پھر فرماتے ہیں۔

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کے لئے ... اس سے بہتر حل اور کیا ہو سکتا ہے کہ جن شخص کی ملکیت میں وہ دی جائیں اس کو ان کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کا قانونی حق دیدیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ عورتیں ملک میں بہ اخلاقی پھیلائے کا ایک مستقل ذریعہ بن جاتیں۔

یعنی اگر ایک ایک شخص دس دس میں عورتیں سنبھال لے، ان سے ان کی مرضی کے خلاف جنسی تعلقات پیدا کرے۔ اور پھر جب جی چاہے انہیں کسی دوسرے کی طرف منتقل کرے اور اس کی اس دوسرے سے قیمت بھی وصول کر لے تو یہ سب کچھ پاکیزگی، اخلاق میں داخل ہے۔ اور اگر ان عورتوں کو اس طرح آپس میں نہ بانٹا جائے تو وہ سراسی میں مستقل بااخلاق، پھیلائے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اب اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ اول الذکر بد اخلاقی اس نے صن اخلاق میں داخل ہو گئی کہ آپ نے اسے مشروع قرار دیدیا اور مؤخر الذکر اس لئے حرام کاری قرار پائی کہ آپ کی بڑائی سے اسے جہاد کا فتویٰ نہیں مل سکا۔ آریہ سماجی نیوگ کی تائید میں بھی یہی دلیل پیش کیا کہ ہے کہ جس قسم کے تعلق کو سراسی جائز قرار دیدے وہ جائز ہو جاتا ہے اس پر کسی اور کو اعتراض کا کیا حق حاصل ہے؟

لونڈیوں کی تعداد کو بے قید چھڑھڑھینے کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد، مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

لیکن بسکے ادوار میں اطرار و رؤسار نے اس قانونی گنجائش کو جس طرح عیاشی کا حیلہ بنایا وہ ظاہر ہے کہ شریعت کے منشاہ کے بالکل خلاف ہے۔

سب میں نہیں آتا کہ جب قوم کے ہاں لونڈیاں و عورتیں آ رہی ہوں۔ ان کی تعداد کو بھی کوئی حد مقرر نہ ہو۔ وہ ایک دوسرے کی طرف منتقل بھی کی جاسکتی ہوں۔ تو پھر وہ کونسی عیاشی ہے جسے آپ شریعت کی منشاہ کے خلاف کہہ سکتے ہیں؟ جسے لونڈی مل جائے اور شریعت "اس سے جنسی تعلقات کی اجازت دیتی ہو۔ تو پھر اس عورتی سے تنبیغ، عیاشی کا حیلہ

قال كنا نعزل على عهد النبي والقرآن ينزل

ہم حضور کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو کر آتا تھا۔

اور اگر عزل ہو جائے تو اسی صحیح بخاری (جلد دوم صفحہ ۱۰) میں یہ حدیث بھی موجود ہے کہ

لا بأس ان يصيب من جارية المصامل ما دون العنرج

اس میں بھی عرج نہیں کہ اپنی حاملہ لائڈی سے شرمگاہ کے علاوہ دوسری جگہ حاسمت

کری جائے۔

سئلہ اللہ! مسافرت: یہ میں وہ احادیث جہیں حصہ ضمنی مرتبت علیہ الترتیب والصلوۃ کی ذات گرامی اور صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور نہیں شرمایا جاتا کہ کل قیامت کو خدا اور اس کے رسول امین کے سامنے کیا جواب دہیں گے۔

بیر حال یہ ہے وہ نظام شریعت جسے موردی صاحب یہاں راجح کرنا چاہتے ہیں، آپ اسے اپنی راجح کر رہے اور قوم مخالف کے جلی قیدیوں کو غلام اور ان کی مستورات کو لونڈیاں بنا میں گے تو آپ اس میں روکت نہیں سکتے کہ وہ آپ کے قیدیوں کو غلام بنائیں اور آپ کی شریف میہبیوں کے ساتھ اسی طرح جنسی تعلقات قائم کر کے انہیں بے منتقل کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ جب عام ہو جائے گا تو موردی صاحب اور ان کے ہم نامہ فرات غرض ہوں گے کہ خدا کا دین، کس طرح ساری دنیا میں خود کو ذلیل رہا ہے!

کے خیر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے

فقیر دھوئی دشاو کی ناخوش اندیشی!

دورنگی

ایک مسلک زندگی یہ ہے کہ آپ جو کچھ کریں اس کی صحت پر آپ کو یقین ہو۔ آپ ایک عزم حکم کے ساتھ اس کا فیصلہ کریں اور عمل پیہم کے ساتھ اسے تکمیل تک پہنچادیں اور اگر آپ کا یہ فیصلہ اور اس پر عمل، انسانیت کی میزان پر پوسے اترے ہیں تو ان کا نتیجہ ارتقائے شرف انسانیت اور وجہ سعادت آدمیت ہوگا۔ اور اگر یہ یقین و عمل کسی ذاتی یا قومی غرض کے لئے ہے تو اس سے کم از کم وہ مقصد تو پورا ہو جائے گا۔ قطع نظر مقصد کے ان دونوں صورتوں میں اتنا حقدہ بطور تدریج مشترک شامل ہے کہ اس سے آپ کا سینہ عدم یقین اور فقدان ایمان سے ذہنی اور شعوری کشمکش کی آماجگاہ نہیں بننا ہے۔

اس کے برعکس دوسرا مسلک یہ ہے کہ ایمان تو ایک طرف کفر میں بھی پختگی نصیب نہیں ہوتی۔ قدم قدم پر تذبذب اور تباہی کی جھاڑیاں دامن گیر ہوتی ہیں جو عزم و اطمینان کے جوہر انسانیت کے لئے تپ دق کے ہلکے جراثیم کا حکم رکھتی ہیں۔ دنیا میں جو قوم زندگی کے دورا ہوں پر اس بیم درجہ کے عالم میں کھڑی رہے اس کا کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں ہوتا اور اس کا سینہ اس آتش جہنم کی بھی بن جاتا ہے۔ جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں: آج ہماری بد بختی اس سے نہیں ہے کہ ہمارے فیصلے غلط اور انہیں پر دان چڑھانے کی قوت مفقود ہے۔ بلکہ ماتم اس کا ہے کہ ہمارے ارباب عمل عقد عام طور پر اس دوسرے مسلک حیات پر گامزن دکھائی دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارا کوئی فیصلہ مستحکم اور کوئی عمل ثبات و آفرین نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر دو ایک واقعات کو لیجئے۔

حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ قائد اعظم کی یاد میں ڈاک کے ٹکٹ شایع کئے جائیں۔ ایسے یادگاری ٹکٹوں پر معمولاً اس شخصیت کی شمشیر ہوتی ہے جس کی یاد میں وہ شایع کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہماری حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجوزہ ٹکٹوں پر کوئی انسانی تصویر نہیں ہوگی۔ اس فیصلہ کی علت یہ عام خیال ہے کہ شریعت میں تصویر کشی جائز نہیں ملنے نہ ہم نے بعض مستثنیات جائز قرار دی ہیں اور وہ پاسپورٹ، شناختی دستاویزات وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ہم سردست اس بحث میں جانا نہیں چاہتے کہ اس تصویر کے متعلق قرآن کا فیصلہ کیا ہے کہ پسندہ سرا ہے نعمنا پسنا نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت ہم صرف بین تضاد کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں جو اس معاملہ میں ہماری زندگی میں عاں طور پر پایا جاتا ہے۔ جن وزراء و حضرات نے یہ فیصلہ کیا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کی تصویر پر عوامی اجنبات میں نہ چھپتی ہوں۔ بلکہ ان کی پبلک سرگرمیوں کا تو شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہوگا جو تصویر کی صورت میں محفوظ و مشکل نہ کر لیا گیا ہو۔ ان تصویروں کے کھینچنے ادا ان کی اشاعت پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے جوئے۔ پاکستان کے مسلمان اخبارات میں ہر روز انسانی تصاویر چھپتی ہیں اور وہ ان مستثنیات کے قبیل سے

یانا جائز۔ اگر جائز ہے تو اس کا اعتراض کیجئے اور شکوک کے کانٹے یقین کے پہلو سے نکال دیجئے۔ اگر وہ ناجائز ہے تو وہ عید کا رڈ پر بھی ناجائز ہے اور فلم کے پردہ پر بھی۔ وہ افراد کی طرف سے ہو تو بھی ناجائز ہے اور حکومت کی طرف سے ہو تو بھی۔ یہ ناممکن ہے کہ تقویر اسٹیج پر تو جائز ہو اور ڈاک کے ٹکٹوں پر ناجائز۔ آپ جیسا عقیدہ رکھتے ہیں عمل بھی اسی کے مطابق کیجئے۔ مصائب زندگی میں دوری، کہ جسے قرآن منافقت کہہ کر بھارتا ہے، طاقت انگیز فریب نفس ہے اور جلی کفر سے زیادہ مردود۔ اس سے وہ کفر کہیں اچھلے جو اپنے عقیدہ میں مٹزل اور اپنے کردار میں نلزش نہیں رکھتا۔ جب تک ہمارے عقیدہ و عمل میں تضاد و مخالفت ہے گا ہماری حیات اجتماعیہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہم مطلقاً ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ کانپتے ہاتھوں سے کوئی تیرا پنے نشانہ پر نہیں لگا کرتا۔ اس طرح عمل سے ہم مسلمان کیا انسان بھی نہیں بن سکیں گے اور اندام رہیں گے یا ان سے بھی اصل

دی حرم ہے دی اعتبارات و مناسبات

خدا نصیب کرے تجھ کو مزیت کا ری

دوسرا تضاد مثلاً لاؤڈ سپیکر سے متعلق ہے۔ ہم نے عید الفطر کے مناسبات قلباً ذکر کرتے ہوئے بھی لکھا تھا اور آج پھر سے دہرانے پر۔ مجبور ہیں۔ ہم ہر اجتماع میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرتے ہیں، حتیٰ کہ یہ اعلان ہوتا ہے کہ خطبہ تک لئے لاؤڈ سپیکر استعمال ہو گا۔ اکبر نے کبھی تنزیہ کہا تھا

پہلے اُس نے سُس کہا پھر تِن کہا پھر بِل کہا
اس طرح ظالم نے مستقبل کے ٹکڑے کر دیئے

لاؤڈ سپیکر کو کبھی بالکل ناجائز بھی مانتا تھا۔ اب اکبر کے الفاظ میں سُس کہہ دیا گیا ہے اور اسے خطبہ کے لئے جائز بھی لیا گیا ہے لیکن نلذ کے لئے پرستونا جائز ہے۔ اگر لاؤڈ سپیکر کا استعمال ناجائز ہے تو نہ نماز اور خطبہ دونوں کے لئے ناجائز ہو گا اور اگر اس کا استعمال خطبہ میں جائز ہے تو یقیناً نماز میں بھی جائز ہے۔ آپ خود ہی تریہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ خطبہ دراصل وہ رکعتوں کی جلائے ہوتا ہے اور اس کا ثواب اور ورکعت نماز و عید و جمعہ کا ثواب ملا کر چار رکعت کے برابر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ ہی کے بیان کردہ آداب کے مطابق خطبہ میں ایسے بیٹھنا چاہئے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ چپ، چپ، دو زانو، ہاتھ باندھے (یا گھٹنوں پر رکھے)، تو اگر خطبہ نماز کا ہی نفع اول یا آخر ہے تو اسکی جائز و ناجائز اشیا و نماز کی جائز و ناجائز اشیا سے مختلف نہیں ہو سکتیں۔ اس عید پر ایک اور لطیفہ بھی ہوا کہنا شروع ہو گئی تو لاؤڈ سپیکر کام کرتا تھا، تکبیر کھرمیہ، ثنا، تین زائد تکبیریں، ناکھ (مہالٹ تک) تو لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ سنائی دی لیکن اس کے بعد کسی نہ دلفلی کی تلافی کر دی اور لاؤڈ سپیکر کو بند کر دیا۔ اس کے بعد بے پناہ حجوم میں جو ہو سکتا تھا وہی ہوا۔ مجمع میں ایسے گوشے بھی تھے جہاں تکبیروں کی آواز تک نہیں پہنچی۔ کہیں بیک وقت کئی بکتر از خود مقرر ہو گئے اور کہیں کوئی ہی نہ تھا۔ بد نظمی اور بد مزگی کوئی احوال چھوڑے جو اس سے پیدا ہوتی، مرث اپنے تضاد کو دیکھتے۔ اگر لاؤڈ سپیکر کا استعمال نماز میں ممنوع ہے اور اس کے استعمال سے نماز میں ہوتی رہا بقول

آپ کے مکروہ ہو جاتی ہے، تو اس عید کا آغاز تو مکروہ ہو گیا۔ پھر ساری نماز کیسے ہو گئی؟ کیا مالک، تک پہنچ کر نجدہ سہو کر کے لاؤ ڈسپیکر بند کر دینے سے نماز میں کوئی کراہیت پیدا نہیں ہوئی؟ گریبان میں منہ ڈنسنے اور سوچنے اور لے نہ بھولنے کہ دنیا بھر کی نگاہیں آپ پر جمی ہیں۔ آپ دنیا کی پانچویں عظیم سلطنت اور عظیم ترین اسلامی سلطنت ہیں۔

تیسرا تضاد خود خطبہ سے متعلق ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ خطبہ عربی زبان میں پڑھا جائے اور اس میں ہی الفاظ دہرائے جائیں جو صدیوں سے دہرائے جا رہے ہیں؟ خطبہ حالات حاضرہ پر اجتماع کے مطابق گفتگو ہوتی ہے۔ جمعہ کے خطبہ میں ہفتہ وار جائزہ ہوتا ہے اور عید کے موقع پر سال بھر کا جائزہ اس میں تضاد یہ ہے کہ عربی میں خطبہ پڑھ کر ہم خود محسوس کرتے ہیں کہ بات نہیں بنی۔ چنانچہ وعدہ کا اس پر اضاذہ کرنا پڑتا ہے۔ اس عید پر یہی کچھ ہوا۔ دو خطبے بلکہ خطبہ دو شستوں میں پڑھا گیا پھر تقریر ہوئی۔ اور چونکہ مسئلہ یہ ہے کہ بغیر خطبہ سے نماز نہیں ہوتی اس لئے نمازیوں نے خطبہ کا تو انتظار کیا لیکن تقریر کے وقت وہ اٹھنا شروع ہو گئے۔ کیا قرآنی آیات اور ماثورہ دعاؤں کے بعد ایک جامع تقریر سے خطبہ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر عربی کا رواجی خطبہ کافی ہے تو پھر اس کے بعد اردو میں تقریر کیوں کی جاتی ہے؟

اصل یہ ہے کہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، جب کوئی قوم سوچنا چھوڑ دے رجبے قرآن مدبر، تعلق، اور تفکر کہہ کر پکارتا ہے اور جس کی بار بار تائید کرتا ہے، تو اس کے اعمال حیات اپنے لئے ولی کشمکش کا باعث اور دیندے کے لئے مہنی کا موجب بن جاتے ہیں۔ دین کے معاملات میں سوچ بچار (مدبر و تفکر) ملتا چلے کے بس کی بات ہوتی ہے، اس لئے کہ اسے شروع ہی سے یہ پڑھایا جاتا ہے کہ مذہب میں عقل کا دخل نہیں اور کسی عمل کی صحت کی مسند یہ ہے کہ وہ اسلام سے اسی طرح ہونا چلا آیا ہے۔ اس کے نزدیک، اسلاف کے مسلک سے ذرا سا انحراف بھی جہنم میں لے جانے کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سوچ سمجھ کر صحیح راہ اختیار کرنے سے معذور ہوتا ہے۔ لیکن اس میں تصور خود ہمارا ہے کہ ہم نے عیسائیوں اور ہندوؤں کی طرح، مذہب کو پارٹیوں اور برہمنوں کی سی ایک عبادت کے سپرد کر رکھا ہے کہ دنیا دار مذہبی امور میں دخل نہیں ہو سکتے۔ اسلام کا دامن اس قسم کی برہمنیت کے عقیدہ سے یکسر پاک ہے۔ خدا کی کتاب پر مسلمان کے سامنے ہے اور ہدایت کے طالب کو سیدھا راستہ دکھا دیتی ہے اسے لیجئے اور اپنے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اپنی قوم کے لئے راہیں متعین کیجئے تاکہ ان پر چلنے سے سہاگ قلوب سے کشمکش و تضاد کی یہ پھانسیں نکلیں اور ہمارے اعمال صحیح نتائج پیدا کر سکیں۔

✽

چونکہ اوپر عید کا ذکر آ گیا ہے اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ منہ رعیہ الاصلیٰ (رکراچی) کے اجتماع سے متعلق اپنے تاثرات کا ذکر کر دیا جائے۔

جہاں تک اس اجتماع کی عمومی نضا کا تعلق ہے وہ چنداں امید افزا نہیں تھی، بد نظمی اور بے ضابطگی کا وہی پرانا مظاہرہ تھا۔ نمازیوں کا جہاں جی چاہتا تھا اگر بیٹھ جاتے تھے، کسی کو آگے کی صفیں پُر کرنے کا خیال نہیں تھا اور کوئی منظم

ایسا کرانے والا موجود نہیں تھا۔ جب نماز کے لئے لوگ کھڑے ہوئے تو اس وقت منبر سے صدا آئی کہ درمیان کے خلائک پر کھینچئے۔ اس وقت خوب افراتفری مچی۔ لوگ آگے جانا بھی چاہیں اور اپنی جگہوں سے ہلنا بھی نہ چاہیں یوں بھی اتنے طویل وقت میں از سر نو صفت بندی ناممکن ہے۔ خیر اسی حال میں نماز شروع ہوئی اور صفوں کے درمیان متعدد خالی جگہیں ملت کی بد نظمی کی افسوسناک شہادت پیش کر رہی تھیں۔

میسرے یہ بھی اعلان ہوا تھا کہ بکتر مناسب جگہوں پر متعین کر دیئے گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کے لئے کیا انتظام کیا گیا لیکن بکتر کسی ضبط و نظام کے ماتحت کام نہیں کر رہے تھے۔ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کہ ایسے گوشے بھی تھے جہاں کوئی ٹیکیر کہنے والا موجود نہیں تھا۔

ہم نے عید الفطر کے موقع پر دکھے ہوئے دل سے چند گزارشات کی تھیں۔ دو مہینے اور دس دن میں اس کا کسی نے غور نہیں کیا۔ ہمیں آج بھی وہی کچھ لکھنا پڑ رہا ہے جو اس سے پیشتر ہم لکھ چکے ہیں۔ ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ایسے اجتماعات کا خود انتظام کیا کرے۔ صفوں کے نشانات اور ان کے مطابق صفت بندی کا فریضہ پورے یا فوج کے سپرد ہونا چاہیے۔ وہ دیکھیں کہ نمازی اگر پہلے آگے کی صف پڑھیں اور پھر درجہ بدرجہ چھپکی کی قیام سے پیشتر پوری اور سیدھی صفیں بن جانی چاہئیں۔ اسی طرح لاڈ ڈسپیکر کا مناسب تسلی بخش انتظام ہونا چاہیے اور اسے نماز میں بھی استعمال کرنا چاہیے۔ جولاڈ ڈسپیکر نصب کئے جائیں ان کے متعلق اچھی طرح تسلی کر لینی چاہیے کہ وہ ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ زیر نظر موقع پر بعض لاڈ ڈسپیکر کام نہیں کر رہے تھے۔

یہ لیکن دل خاش حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعی نظم و ضبط نہیں، لیکن یہ از غیب پیدا نہیں ہوگا اس کے لئے کوشش کرنا پڑے گی۔ ہمارا ہر اجتماع ر دینی اور غیر ر دینی، ملی ضبط کا نمونہ ہونا چاہیے۔ یوں کام شروع کر دیا گیا تو قوم میں ضبط و نظم پیدا ہو جائے گا، ورنہ تسبیح بے رشتہ کے میدانے منتشر کے منتشر رہیں گے۔

ہاجرین کا مستقبل

پاکستان کو روز اول ہی جن کڑی اور غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان میں ان لاکھوں ہاجرین کی بحالی خاص اہمیت رکھتی ہے جو جرمِ مسلمانی کی پاداش میں سرزمینِ ہندوستان سے لئے اور پٹے ہوئے انسانوں وغیر ان پاکستان پہنچے ہیں۔ یہ خانمانِ خراب اپنی زندگی کا اندرختہ اور بیشتر اپنے اعزہ و اقربا و رندہ صفت انسانوں کی نذر کر کے آئے ہیں۔ ان لوگوں کو پھر سے آباد کرنے کا کابڑا مہم حکومت پاکستان کے سر پر۔ ستر لاکھ اجڑے اور اکڑے ہوئے انسانوں کو بحال کرنا بہت کٹھن کام تھا۔ حکومت نے اس کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے ہاجرین کی بحالی کے لئے ایک علویہ اور مستقل محکمہ قائم کر دیا۔ چودہ ماہ کے عرصہ میں ان مفلوک الحال اور پریشان روزگار انسانوں کو پھر سے مصائبِ زندگی میں کھڑا کرنے کے لئے کیا کچھ کیا گیا؟ اس کی تفصیل ہاجرین کی آباد کاری کے ذمہ دار حکام سے دریافت کیجئے تو وہ اپنے اس کارنامہ کو اعداد و شمار کے نذر سے بصدِ فخر پیش کریں گے کہ اس کٹھن کام کو انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیا گیا ہے۔ کاغذی طور پر آپ کو یہ بتایا جائے گا کہ اتنے لاکھ ہاجرین کو دکانیں اور کارخانے دیئے گئے اور اتنے لاکھ کو زمینوں پر آباد کیا گیا۔ ان کے بچوں کی تعلیم اور حفظِ صحت کے لئے یہ اقدامات کئے گئے۔ مزدور متعلقہ کو قرضے دیئے گئے وغیرہ وغیرہ۔ آباد کاری کے اس کاغذی کارنامہ کے باوجود آپ کسی ہاجرے سے دریافت کیجئے وہ اپنی موجودہ زندگی پر مطمئن نظر نہیں آئے گا۔ وہ اپنی موجودہ گذر اوقات کا موازنہ ان حالات سے کرے گا جب وہ اپنے آبائی ممالک میں مصروف کار تھا۔ ہر شخص شاکی ہے۔ جو لوگ اب تک کیسوں میں سڑتے رہے وہ بھی نالاں ہیں اور وہ بھی خوش نہیں چونکہ ماش کی طرف سے مطمئن ہو چکے ہیں۔ حکومت مطمئن ہے کہ اس نے ستر لاکھ بے ٹھکانہ انسانوں کو آباد کر دیا۔ لیکن خود یہ لوگ، جن کی بحالی کے لئے حکومت کا کروڑوں روپیہ خرچ ہو چکا ہے، اپنی قسمت کو بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ محکمہ آباد کاری کی اس قدر حقیقی یا مزعومہ تگ و تاناکے باوجود ابھی ان خانمانِ خرابا متاعِ بردگان کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو اس حال میں زندگی کے دن پونے کر رہا ہے جس پر انسانیت روتی ہے۔ باہر کے علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے چھوڑیے۔ خود دار سلطنت پاکستان (کراچی) میں اس سطحِ مرتفع پر کھڑے ہو کر جہاں مہار پاکستان کی آخری آرام گاہ (مزارِ جناب) واقع ہے، دور تک نگاہ دوڑائیے اور دیکھیں کہ آپ کو کس قسم کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ اگر محکمہ آباد کاری کے میاں کے مطابق اسی کا نام آباد کرنا ہے تو، بریلو، کپڑے کے لئے اب یقیناً کوئی نیا لفظ تلاش کرنا پڑے گا۔ ان سنگِ انسانیت جو نیپڑوں کو دیکھے جن میں دل

معلوم کل تک کس آرام دہ ایش میں رہتے تھے۔ اور پھر ان عملات کو جن میں وہ حضرات قیام فرماہیں جن کے جن کارکردگی کا آئینہ یہ جھونپڑیاں ہیں۔ اور اس کے بعد ان اعداد و شمار کی حقیقت پر غور کیجئے جو ان کی دفتری بیڑوں میں ڈھلے ہوئے ان کے لئے وجہ خود فریبی اور توہم کے لئے بمنزلہ عمل تنویم ہوتے ہیں۔

لیکن اس وقت ہمارے پیش نظر یہ طبقہ نہیں، موضوع سخن اس طبقہ سے متعلق ہے جو قریب قریب ان ہی حالات میں بسائیے گئے ہیں جن میں وہ اجڑنے سے پہلے آباد تھے۔ حکم آباد کاری کی دفتری مشین پورے طور پر سرگرم عمل دکھائی دیتی ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے جب ہم اس کے کام کا جائزہ لیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آباد کاری کا کام ابھی ابتدائی منازل میں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی تک ہاجرین نے پاکستان میں اپنے آپ کو مستقیم (Settled) نہیں سمجھا۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ، دوسری جگہ سے تیسری جگہ جاتے ہیں۔ اگر ان کی یہ مضطربانہ نگاہ و دماغی سہولیات زندگی کی حصول کی خاطر ہے تو وہ انہیں کافی حد تک ہتیا کی جا چکی ہیں۔ پھر وہ کونسی چیز ہے جو انکی جمعیت خاطر میں حائل ہو رہی ہے؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے آپ کو اس مسئلہ کے اُس پہلو کو سب سے زیادہ نظر میں رکھنا ہو گا جس کا تعلق انسانی فطرت سے ہے اور جسے اب تک سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ انسان کو اپنے گھریلو، جائیداد، والدین، اور اعزہ و اقربا سے زیادہ اس ماحول سے وابستگی ہوتی ہے جس میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کا حصہ یہ سب کچھ ہوتے ہیں اور جس میں وہ اپنی زندگی کا معتد بہ حصہ گزارتا ہے۔ اس ماحول سے باہر سے کتنی ہی آسائشیں ہم پہنچا دی جائیں وہ رھام بخارہ کے مطابق، "باہر کے گوشت" کو "گھر کی دال" پر ترجیح نہیں دے گا۔ تعلیم و تربیت کی فانی سے غیر بشرق اس معاملہ میں زیادہ "مرلین خانہ" (Home sick) واقع ہوا ہے۔ گھر کی عسرت کی زندگی کے باوجود برونی دنیا میں ترقی کے مواقع ہمارے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتے۔ ماحول کی جذباتی بندھنوں نے ہمیں اس حد تک جکڑا ہوا ہوتا ہے کہ ہم برضا و رغبت ان سے الگ ہونے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ان بندھنوں کو آپ ایک دو تین..... گنتے جلیئے۔ فہرست طویل ہوتی جائے گی لیکن یہ آخر تک نامکمل رہے گی، کیونکہ اس میں "وہ چیز" نہیں ہوگی جس نے ماحول کی تمام مادی وابستگیوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ غیر مرئی رشتہ ہے جس نے انسان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہیں اور جس کی کمی کو وہ ہر جگہ محسوس کرتا ہے۔ اس غیر مادی چیز کو کسی پیاز سے ماپا نہیں جاسکتا لیکن یہ پوری قوت کے ساتھ اپنی جگہ موجود ہوتی ہے۔ اس کی موجودگی عسرت و تنگدستی کے باوصف تسکین قلب کا باعث ہوتی ہے۔

یہی "وہ چیز" ہے جس کی تلاش ہاجرین کو، ہر ملکن دنیاوی سہولیات چھپا ہوا ہانے کے باوجود، انکی باقی ہے۔ "وہ چیز" کہ جس کی یاد سے ان کے سینے میں جوک اٹھتی ہے اور وہ بے تابانہ پکاراٹھتے ہیں کہ وہ زندگی کے سہارے نظر نہیں آتے
کہاں ہیں دوست ہمارے نظر نہیں آتے

انہیں کاروبار میں خاطر خواہ حصہ مل گیا ہے، ان کی رہائش کا مسئلہ امکانی حد تک طے ہو گیا ہے۔ خاندان کے بقیتہ السیف انفرادی پرورش کا سوال ان کے لئے پریشانی کا عنصر نہیں رہا، ان کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ہو چکا ہے، ملازمت پیشہ افراد ملحد مت پر کجاں ہو چکے ہیں لیکن اُس چیز کے فقدان نے ان تمام سہولیات کو بے حقیقت بنا دیا ہے۔ ہندوؤں میں وہ سب کچھ ہو چکے کے باوجود، جس کی یاد اب تک ان کے دلوں میں تازہ ہے، اگر اب بھی انہیں حالات کے اعتدال کا یقین دلایا جائے تو وہ اپنے اجر سے ہوئے آبائی گھروں کو آباد کرنے میں دلی لذت محسوس کریں گے۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جن کا ذکر ہم ادھر سے کرتے چلے آ رہے ہیں ہاجرین کی کجالی کا مسئلہ طبعی ضروریات کی فراہمی کے اعتبار سے حل ہو چکا ہے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک بیت بیز کار نامہ ہے لیکن اس حوالہ نصیب خلق کی نفسیاتی شکلیں کا کوئی سامان نہیں۔ اس کار نامہ کی یہی بہت بڑی غامی ہے۔ اس کے لئے ہمیں، یہ دیکھنے کے ساتھ کہ ہاجرین کے آرام و آسائش کے لئے مزید اسباب کی فراہمی کیسے کی جائے، ایسی فضا پیدا کرنا ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو پاکستان میں اچھی محسوس نہ کریں۔ وہ اپنے آپ کو ملت پاکستان کا ایک جزو سمجھیں اور جزو دلائف نک۔ ہاجرہ انصاری، پناہ گزین و مقامی کی تفریق فی العزرا و ادینی چاہیے۔ ملت کا شیرازہ مذہبی، نسلی، طبقاتی تفریقات سے کاتی منتشر ہو چکا ہے، اسے مزید خود ساختہ امتیازات سے اور زیادہ پریشان کرنا مناسب نہیں، ہاجرہ کا جو تصور اسلام کے دور ازل میں ہاجرین مکہ کی ہجرت مدینہ سے ہمارے سامنے آتا ہے وہ ان معنوں سے یکسر مختلف ہے جن میں اس اصطلاح کو آج ہم استعمال کر رہے ہیں۔ مسیحی بھروسہ مسلمانوں کا وہ گردہ، بھیدوں کا بھاگتا ہوا گلہ نہ تھا جو پناہ کی تلاش میں سوئے شہر چل کھڑا ہوا تھا۔ مؤمنین کا یہ عیش اپنے نصب العین کی صداقت کا یقین دل میں لئے، عزم و یقین کی دولت سے مالا مال ایک نغم اور عزم کے ماتحت سرزمین مکہ سے نکلا تھا۔ یہ کوئی شکست خوردہ دستہ نوح نہ تھا جو دشمن کی بے پناہ قوت سے خوفزدہ ہو کر ماہ فرار اختیار کر رہا تھا۔ اس منقسم عیش نے محض اپنا محاذ بنا لیا تھا اور پھر چند سالوں کے بعد بیس ہزار قدوسیوں کی جمعیت کی صورت میں فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوا تھا۔ اور پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ اس کے بعد ہاجرہ و انصاری کی گردہ بندی کا وجود آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ آج ہم میں انصاری تو موجود ہیں لیکن ہاجرہ کا شجرہ نسب وہیں پر ختم ہو جاتا ہے۔ آج ہاجرہ و پناہ گزین، کی اصطلاحات نے ملت کو دستقل اور مخالفت گردہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مقامی و غیر مقامی مفادات نخر کر سامنے آگئے ہیں اور یہ نتیجہ ہے ہاجرہ و مقامی کی تفریق لائی گئی کا۔ لہذا ملت کے فردی اور دستقل مفاد کا تقاضا ہے کہ اس خود ساختہ اور غیر فطری تمیز کو بالکل اڑا دیا جائے۔ ورنہ اس وقت پنجاب میں ہاجرہ و غیر ہاجرہ گروہوں کے تصادم سے جو تباہی ناسخ پیدا ہو رہے ہیں اس کی دست کو ہم روک نہیں سکیں گے۔ اس تصادم کا مظاہرہ ہماری عمرانی زندگی کے ہر شعبے میں ہوگا۔ ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ پاکستان کے حصول سے اپنے نوئی جمع کرنے کا جو نادر موقع میں نصیب ہوا ہے وہ بے کار ہونے کا اندھا پارہی قوتیں ہر طرف تخریب ہو جائیں گی۔

اس تھمبھیں کو اڑا چکنے کے بعد ہمیں ہاجرین کی دل جمعی کے لئے ایسا سامان بننا کرنا چاہیے کہ وہ اپنے

موجودہ مقامات کو بھی اپنا گھر سمجھنے لگ جائیں۔ انہیں احساس دلا یا جائے کہ وہ ناخواندہ یا اجنبی نہیں۔ پاکستان ان گھر ہے ان کے پاکستانی بھائی ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کی صورت وہ ہے جسکی طرف طلوع اسلام شروع سے ہی ہمیں توجہ دلاتا چلا آ رہا ہے۔ اوردہ یہ ہے کہ حکومت اور عوام میں قیام پاکستان کے بعد جو بُہد اور خلا پیدا ہو گیا ہے اور جو مردودت کے ساتھ وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے، اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں ہم اپنی معروضات حکومت پاکستان کے متعلقہ حضرات تک پہنچاتے رہے ہیں ان کی فکر یا دد بانی کراتے ہوئے ہم حکومت سے گزارش کرتے ہیں کہ ہاجرین کی دل جوئی کی خاطر اس ضرورت کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی دلبر تہائے ہاجرین کے حکام اپنی کاغذی و دفتری کارروائی نشہ کرنے کی بجائے فردانِ فلاکت زدہ انسانوں کے پاس جائیں اور محض رسمی دوروں پر اکتفا کرنے کی بجائے ان سے رابطہ پیدا کریں۔ یہم دوروں سے اس رابطہ کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ اُن کی تالیف و تلو ب کے لئے ان سے مہم دروازہ ہاتھیں کریں، اُن کی شکایتیں اور تکلیفیں سنیں، انہیں تسلی دینے کی کوشش کریں اور پھر اپنے عمل و کردار سے انہیں محسوس کرائیں کہ وہ اپنے موجودہ مصائب میں تنہا نہیں بلکہ پاکستان کے سات کروڑ افراد ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔ اگر حکومت کے نامذ سے اس طرح باقاعدہ ان لوگوں کے پاس جا جا کر ان کی دلجوئی کریں تو ہمیں یقین ہے کہ ان کی افسردگی سگفتگی میں اور ان کی شکست غرورگی حوصلہ مندی میں تبدیل ہو سکتی ہے عوام کے حوصلوں کو بلند کرنے کے لئے اس سے اچھا ذریعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اربابِ حکومت اُن کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو چکی کوشش کریں۔

دورانِ جنگ میں سرکاری طور پر پراپیگنڈہ پارٹیاں مرتب کی گئی تھیں جو دیہات میں جا کر تقریروں، ڈراموں اور فلموں کے ذریعے لوگوں کے حوصلوں کو بلند رکھنے کا کام سرانجام دیتی تھیں بھرتی کے لئے یہ مسائل بہت حد ثابت ہوئے ہیں۔ اس قسم کے اجتماعات میں چونکہ تفریح کا سامان کافی ہوتا تھا اس لئے عوام خاصی تعداد میں ان میں شرکت کرتے تھے۔ اگر حکومت پاکستان اور صوبائی حکومتیں اس قسم کی پراپیگنڈہ تفریحی پارٹیوں کو پھر ترتیب دے سکیں تو انہیں ہاجرین کی آبادیوں میں بھیج دیا جائے۔ یہ پارٹیاں اسی طرح تقریروں، ڈراموں اور فلموں کے ذریعے ہاجرین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھانے میں مفید مطلب کام کر سکتی ہیں۔ جنگ کے پراپیگنڈے کے سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عوام اسے ملوکیتی جنگ سمجھتے تھے جس کا اُن کے مفاد سے کم سے کم تعلق تھا۔ اب وہ حجاب بھی باقی نہیں رہا۔ اب انہیں اپنے ملک اور اپنی قوم کے مفاد کے نام پر فوراً ابھارا جا سکتا ہے۔ ہم ان کی توجہات صاف سمجھنے پر اپنی پراپیگنڈہ کے ذریعے، بے حقیقت و دھندلے مسائل سے ہٹا کر اہم وسیع مفادات کی طرف مبذول کرا سکتے ہیں۔ حکومت پاکستان میں اس قسم کا حکم موجود ہے۔ یہ کام اس کے کرنے کا ہے۔ نتائج کے اعتبار سے یہ تجربہ اس حکم کی دیگر کارگزاریوں سے یقیناً زیادہ مفید — لہذا کامیاب ثابت ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی کھیلوں کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں مختلف کھیلوں، ہاکی، فٹ بال، والی بال، کبڈی، کشتی وغیرہ کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے اور ان

ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ اس طریقے سے ان میں مسابقت کا ایک خوش گوار جذبہ پیدا ہوگا اور ان کی مساعی آپس کی کھینچا مانی یا اہمیلیوں اور نیپہیلیوں کی نشستوں کے لئے جنگ آزمائی کی بجائے حسن طریق پر مشتمل ہوں گی۔ وقتاً فوقتاً باقاعدہ مقابلے کرائے جائیں اور ان میں ایسی جاذبیتیں رکھی جائیں کہ ہر شہم اور ہر شخص ان میں شرکت اپنے لئے سرمایہ انحصار سمجھے۔ لیکن یہ نہیں ہاجوین اور مقامیوں کی مخلوط ہوں۔



پچھلے دنوں پنجاب میں ہاجرا دارکان اسپلی کی طرف سے ایک مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ ہاجرین کو صنعت دار آباد کیا جائے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ صنعت دار آباد کاری ہاجرین کی نفسیاتی اٹھن کا ایک حد تک حل ضرور ہے۔ لیکن چونکہ یہ حل ناممکن ہے اور اس سے بھی ہاجرا دار مقامی کا خطا تقسیم باقی رہتا ہے اس لئے ہم اس صنعت دار آبادی کی تجویز کے مؤید نہیں، بلکہ اسے ناقابل عمل سمجھتے ہیں۔ اس تجویز کے محرکات بالعموم سیاسی ہیں جن کی تہ میں ہوں اقتدار کا فرسٹ ہے۔ بد قسمتی سے اس تجویز کو بطور ایک سیاسی حربہ اور انتخابی ڈھونگ کے استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جن جن جگہوں پر ہاجرین آباد ہو چکے ہیں وہاں سے انہیں پھر درہم برہم کر کے سال گزشتہ کے قانون کے بھیانک مناظر کی یاد دہانہ کرنے کا تصور بھی طبع گوارا نہیں کر سکتیں۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک خاندان کے مختلف افراد کی اس فطری اور جائز خواہش کے احترام میں کوئی قباحت نہیں کہ وہ ایک ہی جگہ آباد ہوں۔ اگر خوشی تبادلہ کے ذریعہ اس قسم کے منتشر افراد کو ایک جا کیا جاسکے تو اس سے وہ زیادہ اطمینان کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر ملازموں کے تبادلہ اور تعیناتی کے وقت اس امر کا لحاظ بھی رکھ لیا جائے کہ ایک ہاجر ملازم کو اس علاقہ میں یا اس کے قریب متعین کیا جائے جہاں اس کے اقارب بستے ہوں تو یہ بھی ایک قابل عمل صورت ہوگی۔ اس طرح کسے کم تکلیف اور خرچ سے اگر ایک خاندان کے افراد قریب تر ہو سکیں تو اس صورت کی تکمیل کا ضرور اہتمام کیا جائے۔

آخر میں ہم ایک گزارش اپنے ان خوش قسمت بھائیوں سے کرنا چاہتے ہیں جو ایک شب مخلومی کے عالم میں سوئے اور صبح کو آزاد فضا میں بیدار ہوئے۔ آپ برسوں تاریخ اسلام کے اس زریں باب پر واہ واہ کرتے رہے جس میں آپ کو مدینہ کے انصار، مکہ کے ہاجرین سے سلسلہ مواجات قائم کرتے ملتے ہیں۔ آپ نے اسلام کی طاقت اور اخوت کا ہمیشہ نغمہ سے ذکر کیا۔ آپ کو ارض کے دور دراز گوشوں میں آباد مسلمانوں کے درد و کرب پر مددوں پہنچنے رہے۔ آج آپ کے ستر لاکھ برادران اسلام اپنی متاع زمیت کھو کر آپ کے پاس پناہ لینے آئے ہیں یہ ستر لاکھ انسان وہ ہیں جو کل تک جنگ پاکستان میں آپ کے برابر کے شریک تھے۔ ہندوستان کی وسیع سرزمین کی پہنائیوں کو تنگ پا کر وہ پاکستان کے دارالامان میں آئے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انصار مدینہ کے مدیم المشاں جذبہ ایشارہ کے مداحوں میں خود اپنے اندر اس جذبہ کی بو بھٹی نہیں آسکی۔ آپ کے دنوں میں اپنے ان لاکھوں بھائیوں کے لئے سہم بردی کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہو سکا۔ بلکہ انہیں آپ ان سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ ان کے وجود کو آپ اپنی

ایک خطرہ خیال کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں ایک جدا چیز سمجھ لیا ہے جس کا آپ کے گوشت پوست سے کوئی تعلق نہیں۔ آج آپ پناہ گزین، کالفاظ طنز اور تضحیر سے استعمال کرتے ہیں۔ اگر آپ کا کردار یہ ہے تو ہر سال سیرۃ النبی کے نام پر یہی تقاریب منانے سے آپ خدا اور اس کے بندوں کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں۔ محمدؐ کے نام پر انگوٹھے پہننے کے بعد اگر آپ ان کی حیاتِ عقبہ سے انصاف مدعیہ کا جذبہ اختیار اپنے اندر پیدا نہ کر سکیں تو آپ کو ان کے ساتھ لڑکاؤں کے نمائشی مظاہرے کو ترک کر دینا چاہیے۔ ان ستر لاکھ نفوس کا پاکستان پر اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کا۔ اگر آپ کو ان کی کسی حرکت پر اعتراض ہے تو ان کی اصلاح اس طریق پر کرنے کی کوشش کریں جیسے آپ اپنے کسی بھائی اور عزیز کی کرتے ہیں۔ ان کی دل جوئی اور جمعیتِ خاطر نہ ہو سکی تو پاکستان کی مشکلات میں اضافہ ہوگا۔ اور اس اضافہ کی ذمہ داری اور عواقب سے آپ بھی بچ نہیں سکیں گے۔ اپنے ان مظلوم بھائیوں کے ٹوٹے ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کا سامان کیجئے۔ اتنی بڑی مخلوق کو یوں غیر مطمئن رکھ کر آپ پاکستان کو مضبوط نہیں کر سکیں گے۔ ہم ہماجرین بھائیوں سے بھی عرض کریں گے کہ وہ نئے ماحول سے مانوس ہونے کی کوشش کریں۔ ساری دنیا مسلمان کا وطن ہے اور اس کا کوئی بھی وطن نہیں۔ بدلنے ہوئے حالات سے مطابقت کیجئے۔ آپ "شیرب" میں آئے ہیں تو "فخ مکہ" کے لئے تیاری کیجئے! اس کوشش میں انہماک آپ کی افسردگی کو شگفتگی میں بدل دے گا۔

پاکستان کے افسر

سئی کے طلوع اسلام میں ہم نے "جب ہماری حکومت آئے گی تو..... کے مزان کے ماتحت لکھا تھا۔ اور یاد رکھئے! یہ تبدیلی احوال نہ اس ذمیت سے پیدا ہوگی جو انگریز کی طرف سے پاکستان کے لئے تمہیں مل گیا ہے اور نہ ان قوانین و ضوابط سے جو تم مشین کی طرح نافذ کرنا چاہتے ہو۔ بلکہ یہ تبدیلی اس وقت تک پیدا نہ ہوگی جب تک تمہارے اندر تبدیلی نہ ہو جائے کہ

إِنَّ أُمَّتَهُ لَأَوْلَىٰ بِمَا بَدَّلُوا مِنْكُمْ مِنْكُمْ حَيْثُ يَشَاءُونَ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

یقیناً خدا کبھی کسی قوم کی حالت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا جب تک وہ اپنے اندر نفسیاتی

انقلاب پیدا نہ کرے

اس حقیقت کی روشنی میں جب ہم اپنی حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اُس تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے جو ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ہمارے اندر پیدا ہونی چاہیے تھی عوام کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ کال لائن نامہ مشہور ہیں، خواص کی ذہنیت بھی اس عظیم انقلاب کے اثرات سے بیگانہ نظر آتی ہے جس نے ہمیں دو صدیوں کی محکومی سے نکال کر آزاد اقوام کی صف میں لاکھڑا کر دیا۔ عوام میں تحریک پاکستان کی فوری اور جہد گیر مقبولیت کا سبب وہ جلسی خرابیاں تھیں جو بیرونی حکومت کے ہستی کر رہے تھے۔ عوام نے ان خوش آئند توقعات کے ساتھ پاکستان کا خیر مقدم کیا کہ اپنی حکومت ان ناگوار جلسی خرابیوں کو دور کر دے گی۔ لیکن عوام کو اس سلسلہ میں بڑی طرح مایوس ہونا پڑا ہے۔

ارباب اقتدار کی "دور باشی" نے ابھی تک عوام کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ ملک کی عنان اختیار فی الواقع انہوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے۔ عوام اور کارپردازان حکومت میں ربط باہمی کے سلسلہ میں لکن ہے کئی عذر پیش کئے جا سکیں لیکن قیامت یہ ہے کہ خود حکومت کی مشینری کے مختلف پُردوں میں یہ باہمی ربط مفقود ہے۔ ماتحت و افسر کا امتیاز پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ مخرم وزیر اعظم پاکستان کے ان بہ نکرار اعلانات کے باوجود کہ افسران، قوم کے خادم ہیں، ان افسران کی شان حاکمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کی سیرت میں بدلے ہوئے حالات نے کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ کردار کی اس خافی کے سبب وہ اپنے ماتحت عملہ کا رھاگلاٹا تعاون حاصل نہیں کر سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بیشتر دفاتر باہمی چپقلش اور سازشوں کا اگھاڑہ بننے ہوئے ہیں۔

ہیں وقتاً فوقتاً مختلف دفاتر اور محکمہ جات کے متعلق متفرق شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں۔ ان کا عمومی ذکر ہم جون کے طلوع اسلام میں کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں محکمہ فوج سے متعلق چند تلخ حقائق ہیں موصول ہوئے ہیں۔ براہِ عملہ نگار نے انفرادی مثالوں کی بجائے چند عمومی چیزیں پیش کی ہیں۔ مثلاً

۱۔ اکثر افسر اپنے ماتحت حملہ اسپاہی اور جوئٹر کمیشنڈ افسر وغیرہ کو اپنا غلام تصور کرتے ہیں اور دیدہ دانستہ ان کی توہین کرتے ہیں۔

۲۔ انٹرنیٹوں کے زمانے میں جن بارکوں میں گوروں کے لئے پٹیکے وغیرہ لگے ہوئے تھے ان میں سے اکثر آرام کی چیزیں نکال لی گئی ہیں۔ وہ افسر کہتے ہیں کہ یہ آسائش صرف گوروں کے لئے تھی، پاکستانی اس کے حقدار نہیں۔ جس آدمیوں کے لئے یہ ٹیک توہین آمیز بات ہے۔

۳۔ سپاہی پاکستان کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن افسروں کی یہ حالت ہے کہ بہت کم وقت وہ دفتر میں گزارتے ہیں۔ سپاہیوں کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم قیدی نہیں جو دن رات کام کریں اور ہمارے افسر دفتر میں بھی نہ بیٹھیں۔

۴۔ شراب کا استعمال پہلے سے کہیں زیادہ ہو رہا ہے۔

۵۔ نماز روزہ اور دیگر شعائرِ اسلامی سے صرف یہ لگا لگی ہی نہیں بلکہ دلی نفرت ہے۔

یہ شکایات بالکل عمومی ہیں۔ ہم نے قصداً انہیں اس انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ فوج ہی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ قریب اسی قسم کی شکایات ہمیں غیر فوجی محکموں کے افسرانِ بالا سے متعلق موصول ہوتی رہتی ہیں۔ ہم نے انفرادی شکایات کی اشاعت سے عمدتاً اور مصلحتاً گریز کیا ہے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ انہیں اس عمومی انداز سے حکومت کے گوش گزار کر دیا جائے۔ طلوع اسلام کی طرف سے یہ پہلی کوشش نہیں ہے اور مجبور ہیں کہ اس کا اعادہ کریں۔

یہ چند چیزیں ٹیک جملے دل کی پکار ہیں۔ ان سے محض شعائرِ اسلامی کی بھیر مٹی، افسروں کی فرض ناشکا اور بارکوں سے پٹیکے اتارنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اُن سے کردار کی اس خالی اور ذہنیت کی اُس خرابی کا اہم سوال سامنے آتا ہے جس کا ذکر ہم ابتدائی سطور میں کرائے ہیں۔ زیرِ نظر سلسلہ اور اس قسم کے دیگر شکایت نامہ مختلف افسروں کی انفرادی سیرت کے مظاہر کے خلاف احتجاج کی آواز نہیں بلکہ یہ اس جگر خراش حقیقت کا اظہار ہے کہ حکومت پاکستان کے مختلف عناصر ترکیبی میں تہذیب و اخلاق کی قلع کس قدر وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ اگر محترم وزیرِ اعظم پاکستان کے اہلانات اس قسم کے افسران کے نامِ انتباہ کے طور پر نشر کئے جاتے ہیں تو اس قلع کو پائے کے لئے ذریعہ اقدامات کی ضرورت ہے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ افسرانِ بالا دست کی فرعونیت، ماتحت حملہ کے اس جوش و ولولہ کو بھی ختم کر کے رہے گی جو ناگوار حالات کے باوجود اب تک ان میں باقی ہے۔

پاکستان کے کلرک، سپاہی اور چراسی آج بھی پاکستان کی خدمت کا زیادہ مخلصانہ جذبہ دل میں رکھتے ہیں۔ اس جذبہ کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کے اس احساس کمتری کو دور کیا جائے جو ان کے اندر رہنے ان میں پیدا کر رکھا ہے۔

۱۱۱

نفت و نظر

ماہنامہ فردوس
مدیر: محمد وحسی سالانہ چنڈہ - ۱ پانچ روپے آٹھ آنے
فی پرچہ چھ آنے
پتہ: پوسٹ بکس نمبر ۲۱۱ کراچی

ہمارے قلمی زوال سے جہاں اور شعبوں میں ہے راہ روی پیدا ہوئی وہاں شعر و ادب بھی بے زمام ہو گیا اور لطف یہ کہ آج او بی ادب باشہن کا نام ادب لطیف رکھ لیا گیا اور سمجھ لیا گیا کہ محض اس نام سے اس کی تمام کثافتیں، لطافتوں میں بدل گئی ہیں۔ کچھ ارباب ذوق ایسے بھی تھے جو اس ہمہ گیر بے راہ روی کی زد میں نہ رہے اور متانت و سنجیدگی کے مسلک پر گامزن رہے۔ دلی مرحوم کے دادی صاحب کا شمار ان ہی میں ہے۔ دلی اجڑی تو ان کی محض ادب بھی برہم ہو گئی۔ اب آپ کراچی سے "عکس و عکس" کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ پھر سے ارباب نظر کی دعوت مڑ گاں، کاسمان بہر پہنچایا جائے۔ ان کی اس کوشش کا ماہنامہ فردوس سہ ہے جس کے دو پرچے ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ اپنے پرچہ میں فلم ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی تصویریں مرتب کی کسی جمہوری کی آئینہ دار عین جس کی سعادت انہوں نے دوسرے پرچہ میں کر دی ہے!

ایک دہائی سالہ پر تبصرہ کے متن میں ہم ایک عمومی گزارش ضروری سمجھتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ میں شعر و ادب اس وقت میوب ہو جاتا ہے جب اس کی کیفیت یہ ہو کہ فیصلی و ادبھیون یعنی شاعر یا ادیب کے سامنے زندگی کا کوئی مستعین نصب العین نہ ہو۔ لہذا شعر و ادب میں سب سے پہلے کام تعین مقصد ہے۔ اور ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد پہلے ہی سے طے شدہ ہے۔ اس لئے ہمارا ادب ہمدی زندگی کے اس مقصد متعینہ کی طرف لیجانے کا ذریعہ ہونا چاہیے۔

اگر بایں نہ رسیدی تمام ہے ادبی است

اسلام کا نظریہ جہاد

— (۲) —

(حکیم حیدر زمان صاحب صدیقی)

چونکہ آزاد اسلامی مملکت کا قیام جہاد کا اولین نتیجہ ہے۔ اس لئے جو لوگ شخص سنی نظر سے ایشیا کا مطالعہ کرنے کے عادی ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ آخر جہاد اسلامی اور دوسری اقوام و ممالک کی سیاسی اور معاشی جنگوں میں فرق کیا ہے؟ کیونکہ دوسری تو میں بھی سیاسی تسلط و اقتدار اور معاشی مفادات کے لئے لڑتے ہیں اور ان کی حریت و آزادی کو سلب کر کے ان کی قسمت کی مالک بن جاتی ہیں۔ نیز ان کی جہاد کا اولین مقصد بھی یہی کچھ ہے کہ وہ مغرب و ممالک میں اپنے مخصوص طرز کی حکومت قائم کر سکیں اور وہاں کے باشندوں کو اپنے دین و مہذب کی بندشوں میں جکڑ دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلامی تصور زندگی اور نظریہ سیاست کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا وہ اسلامی جہاد کو اقوام و ممالک کی جنگ کے ذریعے کی ہرست میں شامل کرنے میں ایک حد تک مجبور ہیں کیونکہ ان کی نگاہ کو تاہ میں کی حد پر وادھی یہاں تک ہے اور اسلام کا حقیقی فلسفہ زندگی تاہنوز ان کی نظروں سے بہت دور ہے۔

تسلط و ہرج و مرج کی صورت میں جہاد کی کیا صورت ہے؟

اس پر غور و فکر کی کیا ضرورت ہے؟

یہ صحیح ہے کہ اسلام کا اولین مقصد یہ ہے کہ نہ صرف کسی ایک ہی خطہ ارضی میں بلکہ تمام زمینوں میں مخصوص طرز کی خود مختار اسلامی مملکت کا قیام عمل میں لایا جائے کیونکہ اسلام جس مہم کے معاشرہ کی تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ اسی وقت ممکن ہے کہ ملت اسلامیہ کو دنیا میں کامل سیاسی اقتدار حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ملنے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس حد تک اپنی اجتماعی اور ملی حدود و جہاد جاری رکھیں کہ تمام مخالف طاقتیں مٹ جائیں اور جنگ و قتال کے تمام محرکات و ذمہ داریات ختم ہو جائیں

حکمی بیضخ الحرب اور اس ہا رسورہ محمد

یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے

مگر دیکھنا یہ ہے کہ آزاد اور خود مختار مملکت کا قیام ہی اسلام کی نظر میں مقصد و بالذات ہے یا قیام حکومت

نکون ہے کہ سورج، چاند، ستارے، افادیت، دستغادیت اور عقیقت و معلولیت کے اعتبار سے ایک معین اور مقررہ ضابطہ کے تحت کار فرما ہیں۔ یعنی ہر دوسری کڑی اپنے سے پہلی کڑی سے اپنے آپ کو وابستہ رکھے اور ہر کڑی اثر و تاثر کا سلسلہ جاری رہے۔

جب کائنات کا ہر نظام مبادی و نتائج کے باہم گہرے اور پابدار لربا کے ذریعہ قائم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانی نظام تمدن کو اس ہمہ گیر کلیہ سے الگ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک مصالح نظام تمدن کی تخلیق بھی چند مبادی و مقدمات کی محتاج ہے اور جب تک ان مبادی کی تکمیل نہیں ہوتی یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ مصالح معاشرۃ انسانی وجود میں آسکے لہذا آ مقصد کے لئے ہر ذریعہ ہے کہ اقوام حاضرہ اپنی ارتقائی رفتار کا رخ بدل ڈالیں اور از سر نو اپنے سفر کا نقطہ آغاز متعین کریں کیونکہ موجودہ تمدن آج تک جتنی ارتقائی منزلیں طے کر چکا ہے یا آئندہ کرے گا وہ بسنا الفاسد علی الفاسد ہے۔ اور جب تک وہ اس پوری عمارت کو توڑ پھوڑ کر فکری صحیح کی اساس محکم پر تمدن کی بنیادیں استوار نہ کریں گے معاشرہ و کافساد روز افزوں بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

انسانی جہد و جد کا نقطہ آغاز یا مبدأ اول دل ہے۔ اس کی اصلاح و تربیت حیات انسانی کی نہایت کھن اور دشوار ہم ہے۔ مگر اس ہم کے سر ہونے ہی نجات و کامرانی کی تمام راہیں کھل جاتی ہیں اور انسان میں جورت و ایگز فورت پرواز پیدا ہو جاتی ہے۔

تپش ہی گستد زندہ تر زندگی را

تپش می دہد بال و پر زندگی را (راقیانی)

اور مبدأ ثانی مقصد حیات کا تعین ہے۔ جب زندگی کا نصب العین ہی متعین نہ ہو تو سفر زندگی کا رخ کیسے متعین کیا جاسکتا ہے اور جب سفر کا رخ ہی متعین نہیں تو دنیا کی وہ کونسی طاقت ہے جو آپ کو منزل مقصود تک پہنچائیگی کیا یہ عقل و شعور کا اتقنا نہیں ہے کہ قدم اٹھانے سے قبل یہ سوچ لیا جائے کہ پہنچنا کہاں ہے اور نقطہ مقصود کہا ہے؟ اگر آپ یوں ہی اندھا دھند سر پٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کا قدم سمٹ مخالفت کی جانب بڑھتا چلا جائے اور آپ اس خیال میں سرست رہیں کہ ہم اب منزل مقصود تک پہنچنے ہی والے ہیں۔ حالانکہ ایک ایک قدم آپ کو منزل مقصود سے دور لے جا رہا ہو!

انسان ایسا ہی ہے اس غلط فہمی میں مبتلا رہا ہے کہ وہ اپنے ہمہ دشور کے بل بوتے پر مشکلات زندگی پر قابو پاسکتا ہے، اور وہ اپنی عقل کو ہمیشہ خطا کاری سے بالاتر تصور کرتا ہے۔ چنانچہ ہمیشہ خود ہی اس نے اپنے لئے نصب حیات متعین کیا اور پھر اس تک پہنچنے کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کیں، مسیئکروں، سیکمیں بنائیں، لاطوں منسوب گھڑے۔ اور ہر نئی سکیم پر ماسے خوشی کے جھوسنے لگا، کہ اب تو منزل تک پہنچنے میں دیر نہ لگے گی۔ مگر چند قدم آگے بڑھتے ہی اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ زبان حال سے لکھدا تھا

خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم

قرآن حکیم نے ان لوگوں کی نسبت ارشاد فرمایا ہے:-

هل تذهبكم بالاهن من اعداء الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا
وهم يحسبون الله يحسون صنعا (آیہ)

کیا ہم آپ کو ان نامراد و خاسر لوگوں کا حال بتائیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی سعی و کوشش صرف
دنوی زندگی میں گم ہو گئی ہے اور وہ اپنے اس طرز عمل کو اچھا سمجھ رہے ہیں؛

یہ ہیں وہ بواہوس جو شیوہ عاشقی سے نابلد محض ہیں۔ مگر ان کے بلند بانگ دعاوی کو دیکھئے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ
ان کی شوریدہ سری دنیا سے عشق میں کوئی بہت بڑا انقلاب پیدا کرنے والی ہے، مگر اندر سے کھوج لگائی جائے
تو پیٹ کی مکینہ خواہش یا ہوس اقتدار کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

ناز پرورد و تنم نہ برد راہ بدوست

عاشقی شیوہ زندان بلاکش باشد

گذشتہ ایک دو صدی میں کئی نئے اجتماعی امور عمرانی نظر آئے (سوشل میٹورینز) عالم وجود میں آئے اور پاری
دنیا میں ان کی منادی کی گئی۔ کہیں فوضویت و اشتراکیت کا چرچا ہے، کہیں نسٹائیت، فیسٹک کی صدا میں اٹھ
رہی ہیں اور کہیں جدید جمہوریت (ڈیموکریسی) کو ہر انسانی مرغن کا آخری علاج تصور کیا جا رہا ہے۔ مگر دیکھنا
یہ ہے کہ خدا کی زمین میں مخلوق خدا سے کیا گذر رہی ہے؟ کیا اس کے اہلی دکھ میں کہیں رتی بھر بھی کمی آئی ہے؟
یا کہ ع

مرغن بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اگر ان جدید تصورات میں عالم انسانی کے اصل مرغن کا علاج نہیں ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ شورش و بد امنی بڑھ
رہی ہے اور آج بھی بدستور امن و مساوات کی سٹی پلید ہو رہی ہے۔ تو کیا انسان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ
وہ اپنی سابقہ کوتاہیوں کا اعتراف کرے اور فکر صحیح کی بنیادوں پر تمدن صالح کی تعمیر کرے؟

ظاہر ہے کہ انسان کی فطری آرزو جس کا پھل سطور میں ذکر کیا گیا ہے
حیات انسانی کا نصب العین آرزو جو اہر کے خزانوں اور ساز و سامان کے ذخائر سے ہرگز تسکین نہیں
پاسکتی۔ بلکہ اس تپش کو بجھانے کے لئے کوئی اور ہی آب حیات چاہیے۔ یعنی انسان کی محبتوں اور چاہتوں
کا مرکز ہی چیز ہو سکتی ہے جو اس کی طمع زوال پذیر اور آلودہ معصیت نہ ہو بلکہ ادنیٰ وابدی اور معصوم ہو۔ نیز انکی
فقیلت و برتری اس بات میں ہے کہ اس کی زیست محض زیست کے لئے نہ ہو بلکہ اس کی پوری زندگی کسی معصوم
و بلند تر مقصد کے لئے وقف ہو

مقصد سے آذ آسماں بالاترے

دل ستلئے، دل ربائے، دل برے

اگر میت کا مسئلہ ہی انسانی زندگی کا متعلقہ مقصود تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ مقصد انسان ہی سے خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ وحوش و بہائم کی دنیا بھی یہی مقصد رکھتی ہے، اور اس صورت میں انسان کو کیا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے حیوانات سے اعلیٰ و برتر تصور کرے۔

مومن کا تصور زندگی دنیا کے عام لوگوں کے حیاتیاتی تصورات سے بالکل مختلف ہے یعنی اس کا تسلسل لسانی اور معاشی فحشاؤں سے نہیں ہے بلکہ ذات مطلق سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کی شخصیت ایک ہمہ گیر اور عالمی حیثیت رکھتی ہے اور وہ کسی گروہی، نسلی اور جزائی دائرہ میں محدود نہیں ہے اور نہ محض شہرانی مذہب کی تسکین اور حجابی راحت کو نقطہ مقصود قرار دیتی ہے بلکہ اس کی آخری منزل اس سنگنائے عالم سے واپس لوٹنے ہے اور اس کی جنبش نظر کے لئے زمین و آسمان کی دستیں کافی نہیں ہیں۔ انسانیت فطری کا یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جو انسان کو اپنے شمار و حجابی منزلیں طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

تا ابد بلوئے محبت بباشمش نہ رسد

ہر کہ خاک در میخانہ بر خسار نہ رفت

دوسرے لوگ جسمانی راحتوں کے لئے زندہ ہیں اور مسلمان کی نظریں اس حقیر مادی جسم کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حوادث کے بے پناہ عجز میں بھی اس کے ہونٹوں پر سکراہٹ رقص کرتی ہے اور اس کے چہرے سے وفار و تمکنت کے آثار نمایاں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کی طلب و جستجو کا میدان پیٹ نہیں بلکہ دل ہے اور اس کا کہہ مقصود روٹی کے چمکتے نہیں ہیں کہ وہ معاشی مشکلات سے گھبرا اٹھے بلکہ اس کی جدوجہد کا نقطہ مرکز ایک انسانی اصابتی حقیقت ہے اور مومن کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے جو دوسروں سے اس کو ممتاز کرتی ہے۔

موتنے بالئے ہر بالائے

فیرت اور بتابد ہمسرے

مسلمان جس طرح کے نکر و نظر کا حامل ہے خدا کی زمین میں وہ اسی طرز کا انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کی اولین خواہش ہے کہ شر و فساد کی طاغوتی طاقتوں کو کچل دیا جائے۔ طبقاتی اور معاشی مفادات کے موڑ ہمہ گیر تصادم سے مخلوق خدا کو نجات مل جائے اور غصب حقوق انسانی اور ناسادات کے تباہ کن مفاسد کے خاتمے کے بعد تمام انسانوں کو ایک وسیع تر رشتہ اخوت، مساوات میں منسلک کر دیا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ موڑ

نہ یہ درست نہیں قرآن "جسم" کو بھی کم اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن وہ "جسم" کو مقصود بالذات قرار نہیں دیتا۔ بلکہ ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

سرمائی کو فاسد اور ناپاک عناصر سے پاک کر دیا جائے اور یہ کام ان لوگوں کے ذریعہ انجام پاسکتا ہے جن کو ایمان عمل کی قوتیں حاصل ہیں اور اس ساری کائنات انسانی میں اعلیٰ کردار بے نظیر شجاعت و پامردی، شرف النفسانہ مبتدا حلقائی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ امیر ہوں یا غریب، تخت شاہی کے مالک ہوں یا لباس فقیر میں لمبوس بہر حال میں ان کا جو ہر انسانیت دنیا کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتا ہے۔

بند ک وجہ ہستنا اذا ما زدته نظرا

اوجوہہ طریق تمدن اور طرز اجتماع کا فکری اور نظری حیثیت سے اگر جائزہ لیا جائے تو اس کی تہ میں دو متضاد خواہشات نظر آتی ہیں ایک طرف

جسم ملی کے دوناسو

سرمایہ دارانہ بذبذبات و عواطف انتہائی تیزی سے نشوونما پا رہے ہیں، اور روح سرمایہ داری اپنی روائی تلبیث کے ذریعہ غلبہ و تسلط حاصل کرنا چاہتی ہے۔ دوسری طرف دوسرے طبقوں میں اشتراکی ذہنیت اپنا نقش چاہ رہی ہے۔ یہ دونوں نظریے صرت پاکستان اور ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں باہم نبرد آزما ہیں اور ملت پاکستان خصوصیت سے اس نظریاتی جنگ کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ مگر کچھ لوگ اشتراکیت کے نام سے اس قدر مخالف ہیں کہ وہ اس کی نسبت سرمایہ داری کے جبر و تشدد کو اھون البلیسین تصور کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے کاشتراکیت نے اپنی لاوینی حیثیت کو بالکل عریاں کر دیا ہے۔ مگر سرمایہ داری سے یہ لیکن نہیں ہے کہ وہ مذہب کا لبادہ اتار کر اپنے ذہنی نقوش کو اجاگر کر دے، کیونکہ اس کی زندگی کا سہارا ہی دین و مذہب کی نمائش ہے۔ چنانچہ سرمایہ دار دنیا کی ہمیشہ سے یہ نظرت رہی ہے کہ جب بھی اس کے کاسے سر پر کوئی نئی عتر لگتی ہے تو یہ صیغہ اٹھتی ہے اور جھٹ کوئی نیا لباس بدل کر سامنے آجاتی ہے اور بالعموم دین و مذہب کا جامہ تورع زمیں تن کر کے اور شریعت کی طہر دار بن کر مخالفت قوتوں کو شکست دینے کی سعی کرتی ہے۔ اور حقیقت میں دین و مذہب سے اس کو اتنی نسبت بھی نہیں ہوتی جتنی کہ اس کے مخالف کو ہوتی ہے۔ مگر وہ جانتی ہے کہ دین و شریعت کے آہنی لباس کے سوا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہایت مصومانہ انداز میں دنیا کو بار بار کرانا چاہتی ہے کہ دوسرے لوگ مذہب و دین کو مٹانا اور زندگی و الحاد کو ابھارنا چاہتے ہیں اور عام لوگ اس کے مصومانہ طرز تکلم اور منافقانہ لباس تورع سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ ان لحدار بے دین لوگوں سے زیادہ دنیا صفت سرمایہ دار مذہب و دین کا دشمن ہے۔ مگر اس کا طریق زندگی الگ ہے۔

لے دل طریقی زندگی از محاسب پیاموز

مست است در حق او کس این گس ندارد

یہ حقیقت ہے کہ سرمایہ دار کا کوئی مذہب نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ جلب دولت، ناجائز نفع اندوزی اور غصب و

انسانی ہے۔

اشتراکیت اپنے خواہر کے اعتبار سے نہایت خوبصورت اور دلکش ہے مگر معنوی اور انفرادی حیثیت سے نظام سرمایہ داری سے کچھ مختلف نہیں ہے، یعنی اس کی لادینی حیثیت سے قطع نظر کر کے اگر صرف معاشی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہ معاشیات انسانی کی الجھن کو حل کرنے سے نہ صرف قاصر ہے بلکہ اور زیادہ الجھنیں پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اشتراکی نظام کسی پائیدار اور محکم اساس پر مبنی نہیں ہے اور اس کی اصولی حیثیت انسانوں میں صرف معاشی مساوات پیدا کرنا اور مادی تقاضوں کی تکمیل ہے۔ کوئی پاکیزہ اور موصوم تصور زندگی اس کے پیش نظر نہیں ہے اور نہ ہی اس کے سامنے کوئی مثبت پروگرام ہے

کردہ کار حسد اذناں تمام بگذر از لاجانب الا حسد
لے کہ می خواہی نظام عالمی جسته اور اساسی محلی

داستان کہنہ شستی باب باب فکر را روشن کن از ام الكتاب ابقان

تجزیاتی انسانی کے اجزاء ترکیبی میں جو قدرتی ربط و نظم ہے اشتراکیت کی ہوس پرستانہ تحریک نے اس کے مارو پود بکھیر دیئے ہیں اور صرف پیش کے مسئلہ کو مدار زندگی قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ حیات انسانی کا ضمنی تاویسی مسئلہ ہے۔

غرض نظام سرمایہ داری کی پینٹل از ۴۲ ہو یا نظام اشتراکیت (سوشلزم) اصولی اور انفرادی حیثیت سے دونوں لعنت ہیں اور انسانیت کے بدترین دشمن!

زندگی ایسے راجح آں راجح سراج

در میان این دو سنگ آدم زجاج

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام کا تصور زندگی عمر حاضر کے مادی تقاضات سے بالکل الگ ہے اور وہ صرف انسان کی: نیومی اور مادی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ ایک دوسری ابدی زندگی پر بھی حاوی ہے، یعنی اسلام اس زندگی کے لئے ہیبتناک طبیعت پر پاکیزہ اور پرامن زندگی کا وعدہ کرتا ہے اور اخروی زندگی کے لئے وہ عیش و راحت پسندیدہ اور مرغوب زندگی کا فردہ سناتا ہے۔

اسلام کا نظریہ حکومت و سیاست بھی اس اخلاقی اور مابعد الطبیعیاتی نظریہ حیات کے تابع ہے۔ یعنی اسلام میں اقتدار حکومت محض سیاسی مسئلہ

اسلام کا تصور سیاست

اور معاشی تقویٰ کے لئے نہیں ہے بلکہ چند ہم گیر اصول زندگی کے اختیار اور امانت دین کے لئے ہے۔ عت اسلام کی ہیبت عالمکس امر کی تکلف ہے کہ وہ اپنے تمام فکری کاروبار کو ان اخلاقی اصولوں کا پابند بنا دے جو حکم

نے اس کے لئے مقرر کی ہیں۔ اور اس فدائی مضابطہ سیاست سے سرسبز بھی انحراف نہ کرے۔ گویا اسلامی مملکت میں بیحدتہ حاکم کا ہر رکن اس بات میں یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے اعمال حکومت میں مطلق الذمہ نہیں ہے بلکہ اسے ایک ایک حرکت کے لئے جوابدہ ہونا ہے۔ ولستثنیٰ الذین ارسل الیہم ولستثنیٰ المؤمنین المرسلین (آیہ) چنانچہ اسی تصور مسئولیت عامہ کی اساس پر سماجی معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں کسی طرح کے ظلم و تعدی، غصب حقوق، قتل و غارت اور انسان کشی کے لئے تعلقہ کنجیشن نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ انسان انسانیت بنیادی حقوق (Fundamental Rights) سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ کیونکہ جو قوت مقدرہ رب العلیین کے نشار کے مطابق اس کی زمین میں حکومت کا کاروبار چلائی ہے وہ کسی طرح اس کے بندوں کیلئے زحمت نہیں کرتی بلکہ سراسر رحمت ہوتی ہے اور ایسی حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا کسی طرح مذموم نہیں ہے بلکہ انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اسی مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَأْتَانَهُمْ ظُلْمًا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دِينٌ لَمْ يَكُنْ لِيَوْمِئِذٍ اٰمِنًا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حِجِّ الْاِيْمَانِ اَلَّذِي لَوْ اَرَادَ اللهُ لَوَلَاكَ وَاَفْعَمَ اللهُ الْقَائِمَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ هَذَا مِمَّا مَوَاعِمُ رَيْبِغٍ وَصَلَوَاتٍ وَصَلِيحَةٍ يَدُ كَرِيْمٍ هَا اَسْمَاءُ اللهُ كَتَبْنَا وَاَلَيْتُصْرَتِ اللهُ مَنْ يَنْصُرُ لَنَا اِنَّ اللهَ لَقَرِيْبٌ عَزِيْزٌ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَكَتَلْتُمْ فِي الْاَرْضِ اَوْ اَمْرًا اَلصَّلٰوةِ وَاَتَى الزَّكٰوةِ وَاَمْرًا اَلْمَعْرُوفِ وَاَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَذِنَ عَابِدَةَ الْاُمَمِ ۝ ۱۰۰ ۝ - (سورہ حج، ۱)

تاؤد کو بن سے جنگ کی جاتی ہے، جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر تیار ہے۔ یہ دین کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے، وہ لوگ ہیں جن کو نافع گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ صرف اس جرم میں کہ وہ "ربنا اعدنا" کہتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی صالح جماعت کے ذریعہ ظالم اور مہر کردار لوگوں کی دست درازیوں کی مدافعت دیکھے تو خائف نہیں، اگر ہے، عبادت لگا ہیں اور مسجدیں جن میں بکثرت اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے نہ نہیں کر دی جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرنا ہے جو اللہ کے دین کی مدد کرنا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور اور غالب ہے، یہ لوگ (جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے) وہ ہیں کلاگر ہم ان کو زمین میں غلبہ عطا کریں گے تو وہ نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ اور انجانب تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔

نص قرآنی سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام و انصرام کے لئے

ایسے انسانوں کی ضرورت ہے جو منصب حکومت کو ذاتی منہنت کا ذریعہ نہ بنائیں۔ بلکہ مخلوق خدا کی صحیح رہنمائی کا حق ادا کریں۔ یعنی برائی کو مٹانے اور نیکی کو ابھارنے کے لئے حکومت و مملکت کے تمام ذرائع تحرک دے دیں اور اس جہاد زندگی کو اس وقت تک ہماری رکھیں کہ برائی کی تمام طاقتیں مٹ جائیں اور عالم انسانی تیر و برکت کے مقدس نور سے چمکندار ہو جائے۔ چنانچہ مذکورہ آیات میں فکر کرنے سے یہ حقیقت بخود ہی واضح ہو جاتی ہے کہ خدائے قدوس نے مسلمانوں کو اس شرابہر جہاد کی اجازت دی ہے کہ وہ کاغذاً آزاد و لادختر و مختار ہونے کے بعد غیر دوسرے کے اخلاقی تقصیرات کے تحت حکومت کا نظم و نسق چلائیں اور ان کی اجتماعی اور ملی طاقت نوح انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف ہو یعنی ملت حنفی ان اقوام و مملکتوں کی طرح جو صرف اپنی محدود قومیتوں کے سیاسی غلبہ اور معاشی تفوق کے لئے برسر پیکار رہتی ہیں، محض اپنے جماعتی یا قومی اقتدار کے لئے جدوجہد نہیں کرتی بلکہ اس کی نظر انسانیت مطلقہ کی فلاح و نجات پر ہوتی ہے کہ اس کو "مخرجات للناس" کے عمومی منصب امامت و قیادت سے مخصوص کیا گیا ہے؟

گفت آن گلیم خویش بدری برد ز موج

وہیں سعی کنند کہ بر آرد عشق بقا

یہ ان آیات میں اذن جہاد کا حقیقی ذراعیہ بھی مباحثت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر انسانوں کی یہ تقدیر اور سرکردہ جماعت جہاد کے ذریعہ ظالم اور شدید عناصر کی سرکوبی نہ کرتی تو انسانیت کی سب سے زیادہ قیمتی اور مقدس متاع بھی ان شریر النفس انسانوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکتی۔ یعنی انسانوں کے معاہدہ اور تعلقات مقدسہ بھی ہندم کر دیئے جاتے۔ مگر خدائے قدوس چاہتے ہیں کہ صانع انفراد انسانی کے ذریعہ بد کردار اور ظالم انسانوں کو ختم کر دیا جائے اور اس مقصد کے لئے رب العالمین نے ملت حنفی کو منتخب کیا ہے۔

ان تصریحات کے بعد یہ سمجھ لینا آسان ہو گا کہ جہاد اسلامی اقوام حاضرہ کی خود غرضانہ قومی جنگوں کی طرح بہیمانہ لڑائی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک مقدس اصولی جنگ ہے جو نوع انسانی کو اس کے اعلیٰ نصب العین سے چمکانے اور انسانیت کی متاع گراں کے تحفظ اور عالم انسانی میں ہمہ گیر امن و مساوات قائم کرنے کے لئے لڑی جاتی ہے چونکہ ان کی تہ میں محض مادی انتفاع کا عیبہ کار فرما ہوتا ہے اور وہ بھی انسانیت عامہ کیلئے نہیں بلکہ محض ایک جزوقی قوم یا کسی خاص انسانی فرقہ سے مخصوص ہوتا ہے اس لئے اس نوعیت کی جنگیں بھی جہاد اسلامی سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں کیونکہ جہاد کی تہ میں ایک ہمہ گیر اور لامحدود جذبہ آزادی و حریت کار فرما ہے۔

مقل خود میں دگر و مقل جہاں ہیں دگر گشت

ہاں بسیں دگرہ بادوسے سنا ہیں دگر راست

(اقبال)

(باقی آئندہ)

بقیہ نفتہ و نظر

اسلام کے مشہور امیر الحج

مصنف عبدالواحد سندھی ضخامت: ۳۹۲ قیمت: ۱- دو روپے بارہ آنے

سننے کا پتہ سرسید پبلسنگ ہاؤس کراچی

سندھی صاحب کی کتاب "اسلام کے مشہور سپہ سالار" کا تعارف طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت میں کرایا جا چکا ہے۔ زیر نظر کتاب اس مفید سلسلہ کی تیسری کڑی ہے۔ شروع میں جہاز رانی کی اہمیت کو قرآن کریم کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ پھر اس باب میں مسلمانوں کے کارناموں کا تعارف اس کے بعد مشہور امیر الحجوں کا تذکرہ۔ کتاب دل چسپ اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ ہمارے خیال میں اسے پاکستان کے جنگی پیرسے کے اسکولوں میں بالخصوص اور دوسرے مدرسوں میں بالعموم بطور نصاب مقرر ہو جانا چاہیے۔ اسے آپ بھی پڑھئے اور بچوں کو بھی پڑھائیے۔

Muslim League Yesterday

مصنف: اے۔ بی۔ راجپوت۔ ضخامت: تین سو صفحات
مسلم لیگ کا ماضی حال and Today قیمت: ۱- آٹھ روپے۔

ناشر: شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور

مسلم لیگ کے ماضی حال کے متعلق یہ کتاب بے غلظت ہندوستان کے گزشتہ ۵۰ سالہ واقعات پر ایک تاریخی تبصرہ ہے۔ مرتبے اظاظ میں یہ دس کروڑ مسلمانوں کی اس قوم کی اجمالی تاریخ ہے جو رسول کے عرصہ میں مفتوح ہو کر ہو گئی اور پھونڈ ہوئی: ابتدائی ارباب میں اس الزام کی تردید میں تاریخی شواہد راجلا پیش کئے گئے ہیں کہ مسلمان بیرونی اقتدار کے حامی ہیں۔ کنگرس کی مہم جاتوں نے غلظت کو جس سیاسی ابتلا سے دوچار رکھا، کتاب کے باقی اجواب اس کی تاریخ ہیں۔ اس سلسلہ میں پیش آنے والے واقعات کو ترتیب وار پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک مفید مجموعہ ضرور ہے لیکن اس موضوع پر اسے اضافہ نہیں کہا جاسکتا۔

فائل مرتبے اس میں جن بیرونی تاریخوں کے لئے یہ کاوش کی گئی ان کی دل چسپی کیلئے اس میں بہت کم مواد ہے۔ جارحانہ ہندو ذہنیت کے مظاہرے اور مسلم قومیت کے عروج کے ساتھ بیرونی تسلیم سیاست کو یہ بھی تباہی کی ضرورت ہے کہ ہندی سیاست کا رخ خواہ کچھ ہوتا، مسلمانوں کا جذبہ علیحدگی آشکارا ہو گیا۔ اس جذبہ علیحدگی کا سبب، جسے جنگی واقعات و عداوتیں مدد ملنے پر آئے۔ ہندی جارحانہ ذہنیت نہیں بلکہ فطری خصائص ہیں جو ملت اسلام کو دوسری نسل سے میسر کرتی ہیں۔ مسلمانوں کی مزاج کا تقاضا ہی تھا جو پورا ہو کر رہا۔ اس سوا ہر صورت غیر فطری، لہذا غیر مستحسن ہوتی۔

ہندوستانی سیاست کا تجزیہ

(بین الاقوامی سیاست کی روشنی میں)

ہندوستان کچھ عرصہ سے اپنی امن خواہی اور امن پسندی کا خاصہ صفت سے ڈھول پیٹ رہا ہے اُس کی ہزاروں زبانیں اور اُس کے لاکھوں قوم تہذیبی ارض کے اہم مقامات سے دنیا بھر کو برباد کرانے میں لڑنے لگے ہیں کہ ہندوستانی ملکی اور بین الاقوامی سیاست میں امن اور اطمینان کے خواہاں ہیں۔ یہ مساعی اُس دن سے اور زیادہ تیز ہو گئیں جب سے اُسے معلوم ہوا کہ حیدرآباد کے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہندی حیدرآبادی مقدمہ کو اترام متحدہ کے روبرو پیش کرے گا۔ اس کے ساتھ دولت مشترکہ کی موثر ذولمنہ اعظم کا اجلاس بھی شروع ہو گیا جس میں پنڈت نہرو کو حیثیت و دیر اعظم ہندوستان شریک ہونا تھا اس شرکت سے پیشتر اپنے حق میں فضا سازگار کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ نہرو نے ایک طرف حیدرآباد کی آزادی سلب کی اور گئے ہاتھ پاکستان کو بھی جنگ درجہ کی و جھکیاں دیں اور دوسری طرف دنیا کو اس فریب میں مبتلا کرنا شروع کیا کہ ہندوستان امن کا دیونا ہوتا گا مٹی کا پھاری ہے۔ اُس کے منہ میں ہر وقت رام رام رہتا ہے۔ اس سے نہ پاکستان کو ڈرنا پڑے نہ دیگر ممالک کو۔ البتہ ہندوستان کو پاکستان سے جنگ کا اندیشہ ہے؛ کیونکہ اُس کے نسیم میں اپنی قومیں بھیج رہی ہیں جو ہندوستان کا حصہ ہے بلکہ ہندوستان خاص ہے۔ نیز اُس کے اخبارات ہندوستان کے خلاف لہر اٹھتے رہتے ہیں حالانکہ ہندوستان کے اخبارات ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں حکومت کی طرف سے ہدایات دیدی گئی ہیں کہ وہ ایسی حرکتوں سے بچیں جو

سلطنت ہند سے ہر گز تکرار کو یک پسند اور میری حوالے دینے کے ثابت ہو سکے کہ پاکستانی اخبارات ہندوستان سے متعلق سب اہل آئینہ اعلامیہ شائع کرتے ہیں اور شدید الفاظ میں گتہ پتی کرتے ہیں۔ حکومت پاکستان نے اس کا جواب دے کر کہہ دیا ہے کہ اس اعلامیہ میں ہندوستانی اخبارات کے حوالے دینے گئے ہیں اور بتایا ہے کہ وہاں پاکستان اور قارئین پاکستان کو گس کس انداز سے گامیاں دی جاتی ہیں۔ یہ موازنہ تو تیز و آروغ کے اقتباسات دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ ہر گز اخبارات کا ذریعہ تا من سبٹ ناریا ہے لیکن پاکستانی اعلامیہ میں ایک بات اچھپ چھپ ہے کہ ہندوستانی اعلامیہ میں پاکستانی اخبارات کے جو حوالے دینے گئے ہیں ان میں سے بعض مذکورہ اشاعتوں میں صرف وہیں بعض ہی نہیں بلکہ ہندوستانی حکومتیں میں ہی کیا ہے کہ پاکستان میں شائع شدہ اشاعتوں کو اپنے معنوں میں لیا ہے اور ان کو ایک اور فریب میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔ (جمہوریت ہر حکومت کا حق ہے)

مل تو تقسیم کے وقت سے ہندوستان اور پاکستان کے مابین ایسے متعدد ذراعات پیدا ہو گئے تھے جو کہ بین الاقوامی ٹائٹل کے نزدیک ہندوستان کے ڈھول کا پول کھولنے کے لئے کافی تھے۔ مثلاً ہندوستانی ریاستوں، مشرقی پنجاب اور وہی میں مسلمانوں کا منظم سازش کے ماتحت قتل عام کیے جانے کے جنگی سلاہ سامان کو روکنا بکھرو کے رکھنا (ابھی تک پاکستان کے حصہ کا معمولی جہز و پاکستان بھیجا گیا ہے) پاکستان کے سر پاپہ کو روکنا اور یہ لعنت اہل اوائلی کو ٹالنا، جو ناگزیر پر قبضہ کشمیر کا اسحاق وغیر جیہ آباد کے معاملہ میں گو پاکستان براہ راست ذخیل نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن آئین و انصاف کی رو سے اس کا احتجاج قابل تسلیم ہے۔ یہ اور دیگر غیر معمولی مشکلات جو ہندوستان نے پاکستان کے لئے پیدا کیں محض اس لئے تھیں کہ جس پاکستان کو انہوں نے بطیب خاطر قبول کیا ہے اسے ناممکن العمل بنائیں۔

اس وقت اقوام متحدہ کی حفاظتی کونسل کے جیہ بحث میں یہ تمام امور شامل ہیں جس سلسلہ کو ان پر وقتاً بہ وقت مداخلت حاصل ہے وہ کشمیر کا مسئلہ ہے کشمیر خیر انسانی اقتصادی تمدنی نقطہ نگاہ سے پاکستان کا حصہ ہے کشمیری آبادی کی غالب اکثریت مسلمان ہے لہذا ان کی غالب اکثریت پاکستان سے اسحاق چاہتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ مسلمان کشمیر ہندوستان سے ملحق ہونا پسند کریں کشمیر کا اسحاق انہی امور سے فیصلہ ہو سکتا تھا۔ لیکن ہندوستان نے کشمیر پر ڈاکٹر ڈالا۔ دہلی اور لندن کی ملی بگلت نے صورت میں اور دیگر ملک کے ہاتھوں مشرقی پنجاب کے مسلمان علاقہ نے بھی ہندوستان کو روادیشے تھے اور یوں ہندوستان اور کشمیر کا براہ راست تعلق پیدا کر دیا تھا تقسیم سے پہلے ہندوستانی فوجیں کشمیر میں جمع کر دی گئی تھیں۔ تقسیم پنجاب سے ہندوستان اور کشمیر کا براہ راست زمینی ربط پیدا کر دیا گیا۔ اگر پنجاب کی تقسیم حق و انصاف اور آبادی کے مطابق ہوتی تو کشمیر۔ ہندوستان کی کشمیر کے اسحاق کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا غیر مسلم راجہ اور غدار عبداللہ اس سازش کو مکمل کرنے کے لئے موجود تھے جس کا نانا بابا دہلی میں تیار ہو رہا تھا۔ چنانچہ اہل کشمیر نے ڈوگرہ مظالم سے تنگ آ کر جب آٹری مرتبہ جنگ آزادی کی طرح ڈالی تو ہمارا راجہ نے اپنا اقتدار بجانا دیکھ کر فوراً ہندوستان سے استعفا دے کر پروگرام پہلے سے ترو ترو تھا۔ عبداللہ کو تلاش کر کے وزیر اعظم بنا دیا گیا اور ہندوستان نے اعلانہ جنگ شروع کر دی۔ عبداللہ کو وزیر اعظم بنانے سے دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنا مقصود تھا کہ کشمیر میں عوامی حکومت قائم کر دی گئی ہے، لہذا آزاد کشمیر حکومت ناخاندانہ اور غیر ضروری ہے۔ عبداللہ، وزیر اعظم کو حکومت کشمیر میں کیا داخل ہے، خود عبداللہ کی زبان سے سنئے۔ ۲۹ ستمبر کو نئی دہلی میں تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا۔

ہمارا جہ سلاہ اقتدار لینے یا تمہیں رکھنا چاہتا ہے..... ریاستی افواج کا

(بقیہ صفحہ ۶۳) پاکستان کے وائوں کو محض اخبارات تک محدود رکھا ہے حالانکہ ہندوستان کے ارباب حکومت کے بیانات میں اس سے زیادہ قابل اعتراض اور دلچسپ (تذکار احوال گئے تھے۔

انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے یا اختیار
ابھی تک چارے سپرد نہیں کیا۔ ہمارا جو کہ ذوقِ جمہور
کی نفع نہیں ہے۔ اس میں اسی کے رشتہ داروں کے
پرے ہیں کسی اور کو نہ بیک نہیں آئے دیا جاتا۔

ہندوستان کو یوں تو خیال تھا۔ کہ کشمیر کی حکومت
اس کے مقابل کے لئے واہمی اور اگر معاملہ عدت پر ملتا تو
تو ذرا نہیں دکھتے چنانچہ خواہہ اس میں آئے۔ لیکن ایک
اور قبائل آوازوں نے اس سرسبز فانی اور جرأت امانی سے جزئی
کو اپنے خون سے لالہ لنگ کیا۔ اس نے ہندوستان کے پچھلے
پچھڑا رہیے چنانچہ ہندوستان کی آنکھیں کھلیں اور اس نے
معاذ اقوم خدا کے خیر و کریم۔

اس اعترافِ بجز سے نہ محض عبداللہ کی وزارتِ عظمیٰ
کا وہ ان گفتا ہے یہی واضح ہو جاتا ہے، کہ ہمارا جسٹ اپنا کتا
اقدار ہاتھ چھوٹا ہے۔ اور جمہور کے سپرد کیا ہے۔ ہمارا
ہندوستان کے نفع ہے۔ اور عبداللہ ہندوستان کا نظریہ
غلام ہے! جسے چینی اختیارات سوشلزم کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ نہ اس کا یہ مطالبہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے قول کے
مطابق ہندوستان کی سیاسی جنگ لڑنا چاہتا ہے۔ جو اتفاقاً
مشرقات سے لڑی جلتے گی۔ چنانچہ جمہور کا تقریر میں اس نے
ہندوستان کو ڈھائی دی۔ کہ اقتصادى طور پر اسے تنہا

میں بحیثیتِ اقوم متحدہ کی حیثیت اور طریق کار سے متعلق
اصولی اختلافات ہیں۔ اور میں یقین ہے۔ کہ جب تک اس
بحیثیت کی اساس نہیں ہٹے گی۔ اس کی تعمیر میں خرابی کی تعین
صورت معمر ہوگی۔ اور اس کی ناکامی مقدر ہے۔ اس بحیثیت
نفس پھیش بنا اور انداز کار کردگی سے متعلق جو نفسی دعوای
بانٹے ہیں۔ وہ ان پر بھی بوجہ نہیں اتر رہی۔ یہ حقیقت ہے
کہ اس کے خاکرات اور فیصلے رائے نہیں نیندے کہا جاسکتا ہے
تو اول علمی کے استعماری اعراض و نقائص کا آئینہ ہونے پر
اس نے جس طریق سے مقصدِ تسلط کو پیشلے کی کوشش کی
ہے۔ وہ اس کی سوت کا فاضل ہے۔ اس کے تیار و فیصلہ
کا درملرا امتحان پاکستانی ہندی مقدر تھا۔ یہاں بھی اس نے
انفاس تدبیر کا ہی ثبوت دیا ہے۔ یہاں تک کہ دولِ مغربی
یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئی ہیں کہ کیا اس ادارہ سے وابستگی ان
کے لئے واقعی ضروری اور مفید ہے یہ عدم اطمینان قدرتی
ہے۔ دولِ مغربی مجبور و بے بس ہیں۔ وہ انصاف کی توقع
کھو چکی ہیں۔ دنیا دو مخالف فریقوں میں بٹ چکی ہے ایک
طرف روس ہے۔ اور دوسری طرف امریکہ بحیثیتِ اقوم متحدہ
ان دو طاقتوں کا میدان جنگ ہے۔ دولِ مغربی ان دو
ہیب کھڑوں کے بین گیند کی مانند ہیں۔ کیا وہ متحد ہو کر
اس بین الاقوامی بازی کا ہ میں کھلاسی کی حیثیت حاصل کر
سکتی ہیں؟

ہندوستان کو ڈھائی دی۔ کہ اقتصادى طور پر اسے تنہا
نہیں رہنے دینا چاہیے۔ ان حالات میں اس کی تعمیر کی آزادی
خواہی اور آزادیِ طبیعتی قدرتی اور قابلِ فہم ہے۔ ان کے نزدیک
ہمارا جو عبداللہ کا اور خرمی کا دور رفت سے زیادہ وسیع نہیں
ان پر ظہورِ استبداد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ مکھوں اور
سیوک شکر کی باقاعدہ آہستہ ان کی زندگی اور اجر میں ہو گئی
ہے۔ اور عزت اور ناموس خاک میں مل سبے ہیں۔

اس وقت ہندوستان اور پاکستان کے بین جو کشیدگی
پائی جاتی ہے۔ اس کا بہت حد تک ذمہ دار کشمیر ہے۔ کشمیری
خاں اور پٹیل نے صلہِ تقریروں میں و مناہت سے کہہ دیا ہے
کہ پاکستان اور ہندوستان کی دوستی کا انحصار کشمیر کے تعمیر پر ہے
کشمیر حقیقت وہ علامت ہے جس کی علت بہت گہری ہے
ہم اس علتِ عمائدہ سلور میں تبصرہ کرئیے۔ یہ حقیقت ہے کہ
کشمیر کا مسائل ان کشمیری کی خواہشات کے مطابق طے ہو جائے
تو یہ کشیدگی بہت حد تک کم ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ مسائل اتنا جو
دھیرے اور سمجھ ہیج طے ہو رہا ہے۔ کہ نصیہ سے متعلق
عقلِ عاقل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ عرضِ علمی کو اس میں ہندوستان نے ضرورت سے اس

سر پروردو یا۔ کہ کشمیر کی صورت حالات امن عامہ کے لئے
 خطہ ہے۔ لہذا اس کا ذریعہ تصفیہ ہونا چاہیے۔ اس کے
 بواب میں جب پاکستانی وزیر خارجہ نے وہ سارا پس منظر بیان
 کیا، جس کا ایک گوشہ کشمیر ہے۔ تو مخاطب کو نس غم پر ہو گئی
 کہ وہ ہندی پاکستانی نزاع کے تمام پہلوؤں کا جائزہ سے چنانچہ
 مخاطب کو نس کی ۱۲ مارچ کی قرارداد میں ایک کمیشن کے قیام
 کا فیصلہ کیا۔ جو پاکستان اور ہندوستان کا دورہ کیے اور
 حالات کا حتمی خود ملاحظہ کیے۔ بلکہ کشمیر کی نزاکت اور اہمیت
 کے پیش نظر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کشمیر کے فیصلہ کو بے پناہ جانے
 کمیشن نے دو ملکوں کے خاندانوں سے ملکر یا ۱۳ مارچ ۱۹۵۱ء
 کو 'الزائے جنگ' کی قرارداد دونوں حکومتوں کے روبرو
 پیش کر دی۔ یہ موقع اس قرارداد کی جزئیات پر بحث کرنے
 کا نہیں۔ ہم اس وقت صرف عمومی جائزہ سے سکتے ہیں۔

چنانچہ ۱۳ مارچ ۱۹۵۱ء کو اس نے یہ فیصلہ صادر کیا تھا۔ کہ وہ آزاد اور منصفانہ امتحان
 رائے کے لئے ایسی نفاذ تیار کرے۔ کہ ریاست کشمیر جو ہندو
 پاکت زیا ہندوستان سے لائق کا فیصلہ کر سکے۔ اس کی
 ۱۳ مارچ کی قرارداد یا اعتبار نتائج یہ ہے۔ کہ کشمیر کو بطور
 تھیں ہندوستان کے پیش کر دیا گیا ہے۔ اور پاکستان اور
 آزاد کشمیر کی حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ کہ وہ یک دلی
 و درگوش کشمیریوں کی ہدایت سے عمل جائیں۔ اس ضمن میں اس
 مذاق کو نہ بھولنے کہ مخاطب کو نس کشمیر کے فیصلہ کو اس اہمیت کے
 پیش نظر زیر بحث لا رہا ہے۔ کہ اس ضمن عامہ کو ذریعہ
 خطہ ہے۔ وہ اپنی کمیشن کو اس پر مامور کرتی ہے۔ اس کمیشن
 اس کا مشرف ہے۔ لیکن ان کے فیصلہ کا رد و اعتراض سے انکار
 کی قرارداد را بھرتی ہے۔ وہ پیش ازیں نہیں کہ الزائے جنگ
 پر ذریعہ عمل درآمد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس اصول کو پاکستان
 اور ہندوستان تسلیم کر لیں۔ اور باہمی مشورت و مذاکرات
 سے تاریخ اور دیگر تفصیلات کا فیصلہ کر لیں۔ یہ یوں مشورہ

اس نکتہ کا جس پر کمیشن نے فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ ضابطہ جو ہے
 اب ادھر کمیشن نے پاکستان اور ہندوستان کے روبرو اپنی
 تجویز پیش کی۔ اور وہ عام ممبر ہوا گیا۔ کہ الزام مقدمہ کی
 جزا اسمبلی میں شرکت کرے۔ اب اس کی مراجعت کوئی چھ
 ہفتوں کے بعد ہوگی۔

کشمیر کا فیصلہ دو طرح ہو سکتا ہے۔ ایک طریقہ جنگ
 کل ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ موجودہ جنگ جاری رہے۔
 تا آنکہ یا آزاد کشمیر سے بڑھ کر شرف فتح کرے۔ یا ہندوستان اس
 پر زبردستی قبضہ کرے۔ اس صورت میں حالات کو اپنی موجودہ
 رو میں رہنے دینا چاہیے۔ وقت اس کا فیصلہ کرے گا۔
 دوسرا طریقہ صلح پر اس ہے۔ اقوام متحدہ کے مندرجہ کشمیر کو ہاتھ
 میں لینے کا مقہوم ہی ہو سکتا ہے۔ کہ اسے کشمیر کا پراسن
 حل مطلوب ہے۔ پراسن حل کا قدم اول یہ ہے کہ جنگ فی الفور
 بند کر دی جائے۔ اور اہلیان کشمیر کی راجان ڈوگروں کی
 آہنی گرفت سے رہا کر دیا جائے۔ اور تیار ہونے کو
 اور ریاست کی حدود سے نکال دیا جائے۔ اس کے بعد ہی
 غیر جانبدار حکومت قائم کی جائے۔ جو آزاد اور منصفانہ امتحان
 رائے کا انتظام کرے۔ تاکہ اہلیان کشمیر کا خوف و خطر اپنی
 خواہشات کے مطابق یہ فیصلہ کریں۔ کہ وہ کشمیر کا الحاق
 پاکستان سے چاہتے ہیں یا ہندوستان سے۔ ایسی غیر جانبدار
 حکومت نظر آ رہی ہے۔ تو تہا پاکستان کی ہو سکتی ہے۔ نہ
 تہا ہندوستان کی، کیونکہ دونوں فریق مقدمہ میں۔ یہ بیڑاری
 لانا اقوام متحدہ کی ہوتی چاہیے۔ اس میں الا قوامی ادارہ کی
 متین کردہ ہیبت منظر ضرورت کے مطابق پاکستان اور
 ہندوستان سے۔ مناسب طور پر استدعا کر سکتی ہے کہ کمیشن
 در تعینت ایسے ہی تصفیہ پر مامور تھا۔ لیکن اس نے جو
 تجویز بطور اساس میں کی۔ وہ انہیں ناک ہے کہ اس
 میں واقعات کا نظارہ ہے۔ یہ تجویز پاکستان کے
 نزدیک قابل قبول ہو سکتی ہے۔ آزاد کشمیر کی حکومت

جاپان پر حیثیت منسوخ کر بیٹھا ہے۔ وہ امریکہ کے مفکر سے کہتا ہے کہ اگر آپ اپنے آپ میں اٹھ گئے گا؟ اس کے متعلق گذشتہ تین سال کی رفتار سیاست کوئی خوش آمد جواب دیتا نہیں کر سکتی۔ ایشیا کی قیادت کی سند عالی وچکر پٹنہ پٹنہ کے سند میں پائی پھریا۔ نہرو انگریزی کی نوازشات کے حصے میں عارضی مرکزی حکومت پر مشتمل ہو چکا تھا۔ پنا پنا پنا قیادت سے ہو گیا۔ کہ وہ موثر ایشیا طلب کریں۔ ہر چند ۱۹۲۶ء کا ہنگامہ موثر کامیاب نہ ہو سکا، لیکن نیا کامی جمع قیادت کے آغاز کیلئے کافی نہیں تھی۔ اب پٹنہ نہرو آزاد ہندوستان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اب اس کے عزائم کا باسنا نیا لگا جاسکتا ہے۔ روس کو چھوڑ کر ایشیا میں کوئی عظیم قوت موجود نہیں جہاں تک ایشیا و زمانہ اسی ہے چارہ ہی۔ اس کوئی منان قیادت سنبھالنے کے اہل نہیں۔ برصغیر ہندوستان کی حیثیت اور اجمیت کے پیش قیادت کے خراب باسانی دیکھ سکتا ہے۔ نہرو جیسا "بین الاقوامی" اس زیر موقع کو ہاتھ سے نہیں لے سکتا۔ اس قیادت پر عرض نکالیں ڈالنے کیلئے نہرو کے پاس کیا اور وہ بھی ہے۔ اندرون ہند اس کی قیادت خود ہی ہو گئی ہے۔ اس کا زبردست اور طاقتور حریف چیل ہے۔ نہرو کے پاس سب سے بڑی تائید اپنی حمایت میں گانگا کی تھی۔ گاندھی کی موجودگی میں نہرو کی قیادت مسلم تھی۔ چیل گاندھی جی جہاں تاںی شخصیت کے سامنے بے بس تھا۔ اس نے گاندھی کی شخصیت کے اثر کا دندان شکن جواب دیا "تیرے بیسوں لگے اور کھوں کی صورت میں جیتا گیا۔ اس کے ہاتھ میں یہ دو خواتین تھیں۔ اس کے برعکس نہرو ہتھیار ہے۔ چیل چاہے تو آج نہرو کو بیک بینی و دو گوش حکومت بد کر سکتا ہے۔ لیکن اسے نہرو کی ضرورت ہے۔ نہرو کو کھنسنے پٹر پونگ بیجھنے کا اندیشہ ہے۔ کیوں نہ نہرو کو حکومت میں شامل رکھا جائے۔ اور اسے اپنی جگہ رکھا جائے۔ وہ کامیاب ہوا تو ہندوستان کا سب سے بڑا اور کام ہوا۔ تو اسے بساط سیاست سے پیٹے ہوئے ہنر سے کی طرح ہٹ جانا پڑے گا۔ چیل اور نہرو میں یہ تعلیم کا ہے

نہرو بین الاقوامی سیاست کا نہرو بن رہا ہے۔ اور چیل اندرون و باہر کام میں پھولتا ہے۔ اب اندرون ہند نہرو کی قیادت ناقابل یقین اور خارج از ہوش ہے۔ نہرو اپنی کمزوری کے پیش نظر چیل اور اپنی طبی رکبانات کو ہلکے طاق دکھ کر ہندو بن چکا ہے۔ اب وہ وسیع الشرب اشتراکی نہیں۔ اندرون ہند وہ پیش کا ہم شرب ہندو ہیں۔ اور بیرون ہند سیاست قوت کا عمود ہے۔

نہرو جو ہے۔ کہ اپنی ہیوں شاندار کی لکین کے لئے بین الاقوامی میدان تلاش کرے۔ چنانچہ اس نے ۱۹۳۷ء میں موثر ایشیا کا ڈھونگ دیا چار اگلیت کیا۔ وہ چیل کے غلطی کو بڑ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن باس کا اور حریف میدان میں آگیا ہے وہ حریف عالمگیر فریقین یعنی ڈالر اور اشتراک کے نقیبوں میں سے ایک یعنی روس ہے۔ ہندوستان روس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نہرو کیلئے مشکل اندر مشکل ہے۔ ایک طرف چیل ہے ایک طرف شائین۔ چیل سے وہ انجم کار کر چکا ہے۔ رسالوں کے مقابلہ میں امریکہ بھی ہے۔ کیا وہ دونوں سے تبت کی چیلنگ برطانیہ کے گا؟ نہرو اپنی ناقابل رشک پوزیشن کے باعث ایسے تغاؤ کو یقیناً بنائے گا۔ اس کے پیچھے کے میلانات اشتراکیت اور رسالین کی گو وہیں سے جائیں گے اور موجودہ چیلی اثرات اسے سرمایہ دار امریکہ سے ناظر ہونے میں مدد دینگے۔ ہندوستان وسیع و درمیان ملک ہے۔ وہ اچھا خاصا مستحق بھی ہے۔ اس میں بھی صنعتی فروغ کے امکانات ہیں امریکہ اس منڈی پر فرزد قبضہ کرنا چاہے گا۔ امریکہ کی عالمگیر دفاعی منصوبہ بندی میں ہندوستان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بجا و قیاس و سنجیدہ اور بجا کاہن کی شہرت نہرو نے اپنی برصغیر ہند پاک کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ روسی نہرو کی طرف سے آئیگا۔ ایک کا ہاتھ چیل ہے۔ تو دوسرے کا شکم پر ہندو کا فتنہ "حیث" "جیب" و "شکم" سے لڑ رہیں۔ ایک نہرو اور چیل کی متفاد منکر محاذوں سیاست کے

زیر اثر امریکیت و روسیت کا مقام اقبال ہو گا۔ ایک حد تک ایک وقت تک قائدین ہند و نون مخالفت کر رہیں گے۔ یہی جگت کریں گے۔ اور نتیجہ کرینگے۔ ہندوستان خطہ ہنگ کے آئری لفظوں یعنی روس اور امریکہ کے مقامات سے بہت حد تک آگاہ معلوم ہوتا ہے۔ روس کو اس اتنی اہمیت دی ہے۔ کہ وزیر اعظم نہرو کی بہن جنس لیسر نے اپنے ہند بن کر وہاں گئی ہے۔ وہی مکھن نے جنرل اسمبلی میں اپنا دامن بچانے کی پوں کرکشن کی ہے۔ اگر دنیا دو مقابلہ کر دیوں (یعنی روس اور امریکہ) میں ہٹ گئی تو جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں ہندوستان اس بحال رکھنے کے لئے دو نوں سے کسی کے ساتھ ہی حزب ہند ہی نہیں کرے گا۔ امریکہ میں راملاؤ سبھر ہندوستان میں ہے۔ راکٹر برکو نیو یارک میں کاروباری خاندانوں کو کہا گیا۔ اگر ہندوستان میں سمپارڈریت ہند ہوا۔ تو مخلو ہے کہ ہندوستان کوئی اور نظریہ حیات قبول نہ کرے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اشتعالیت ہو یا سٹالینیت یا کوئی اور ہیئت "ہندوستان کے سیاسی اور اقتصادی قرار پر لایا کے اس کا دارو مدار ہے۔ اور یہی عالمگیر امن کا ضامن ہے۔ ہندوستان نے روس کی طرف اشارہ کر کے کاروباری امریکہ کو بات بھاری ہے۔

یہی جگت کس کا ہم آئیگی ہجمنہ ابھی نہیں اور جبرو کی رقابت کا ذکر کیلئے ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ذرا ہندو حراج و ذہنیت کا جائزہ لیئے۔ ہندو سود و قواؤ بنیا اور تنگ نظر قوم ہے۔ اس کی معاشیوں میں ورگن زار اور وارا کا نہیں۔ جبروت کا مقام ہے۔ کہ یہ سچو سچو مخالفت کر رہے ہیں آج ہندو قومیت کا حق نظر آ رہا ہے۔ ان میں کوئی مثبت تہ نہیں ہے۔ ہندو قوم تاریخ عالم کا دلچسپ ترین ہے۔ ہر تہا ہر سچو اس پر استوار ہے۔ گاندھی کا نظریہ ترین کارنامہ یہ ہے۔ کہ اس لیے ایڈو ع سلسلے رکھے۔ اور اس قومیت کی حقیقت

حیثیت ہمیشہ برقرار رہی۔ گاندھی متفاد و دلچسپ شخصیت تھی۔ اتنی ہی شخصیت کی زندگی میں اس قدر تقاضا دیا یا جانانا قابل فہم نظر آتا ہے۔ لیکن بنظر غائر دیکھا جائے۔ تو یہ عقائد آئینہ تھا۔ اپنی منفی اساسات کا ہندوستان کے ہر عنصر کو بائیں بائیں ہندو قوم کہلاتے ہیں۔ مسلمانوں کا امد سے پہلے یقیناً ایک قوم نہ تھی۔ تاریخ شاہد ہے۔ گندم نہاد ہندو مہکڑوں نے ایک دوسرے کے خلاف مسلمانوں کی امد کی۔ لیکن جب مسلمان ان سب پر غالب آ گئے تو مسلمان دشمنی ان مناصر کے لئے وجہ اہمیت ہو گئی۔ اس کا لفظ تکسین گاندھی تھا۔ گاندھی نے نئی اساس کو اثباتی پیلووینے کی کوشش کی۔ اور ہندوستان کو ہمیشہ قدر مشترک پیش کیا۔ یعنی قومیت ہندو ہی جواب تک مسلمان دشمنی پر قائم تھی۔ اسے دھرا سہارا و ولایت کی صورت میں دیا جانے لگا۔ اس ہندو قوم کی بقا کا راز اسی میں مہر ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو کس حد تک مثبت بنیادوں پر استوار کرتی ہے۔ کوئی قوم بہت دیر تک سبھی اس میں پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اسے جب بھی کوئی مثبت نظریہ پیش آیا وہ مات کھا جائے گی۔ ہندو قوم ابھی اپنے خطے سے دوچار نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی مسلمان دشمنی کو وجہ اہمیت بنائے ہوئے ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ اس کے لئے مسلمان دشمنی اور ولایت مراد ہو جائیں گی۔ کیونکہ مسلمان فرقہ سے ایک قوم اور ملک (ہند گئے ہیں۔ اس طرح نفی سے اثبات تراش کرے گا۔

کم ہوش بچس مل پختہ ہندوؤں کی مسلم دشمنی نے راکٹر ایڈو کی سنگھ کی مرئی شکل اختیار کی۔ یا دارو پیکر مسلم دشمنی کی پیادوں پر استوار ہوا۔ اور اس پر آج تک قائم ہے۔ اب بھی اس کا پیش نہاد استہلال مسلم ہے سنگھ کو سنگھوں سے لگائی۔ ہندو نے سکھ کو اپنی اغراض کھانڈ کر لکھا اس انداز سے بنایا ہے۔ کہ سکھ بدعت

مرکزی نقطہ میں علم دشمنی ہی قرار پا گیا ہے۔ سنگھ اور سنگھ
ہندوستان کی تحریک کے دو خطرناک عوامل ہیں۔

۱۔ تشریح سنگھ کا سرخوشی میں ہے اس کے سکھوں کا
ہمارا بیٹیا ر۔ پیش اور پیشا لہ مور نے ایک مسلمان دشمنی
پر اٹھا دیا۔ مشرقی پنجاب میں مسلمان کے خون کا آفریں تعلق
پی کر سکھ فارغ سے نظر آنے لگے۔ اور پیشا کو اندرونی
استو کا ہم کے لئے رہا ستوں کے تحریک کی ضرورت محسوس
ہوئی۔ سکھ رہا ستوں کا معاملہ نادرک تھا۔ لیکن تہذیب
پیشا نے پیشا لہ کو دم کر دیا، البتہ سکھوں سے اس نے امتیاز کا
سلوک کیا۔ گاندھی کے قتل کے بعد فرقہ وارانہ میں زیر مباحثہ آئیں
اور ان کی "نومہ" میں فحش کردی گئیں لیکن سکھوں کو اذیت
مستحبات رکھا گیا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں پیشا گاندھی کے قتل
کے فوراً بعد تار سنگھ نے ایک گز مٹی پمفٹ میں کہا۔

"حکومت ہند فرقہ پرستوں کی تماش میں ہے۔ میں
فرقہ کہتا ہوں کہ میں فرقہ پرستوں کی حکومت ہند کے
مجھ پر لٹھ ڈالے اور مجھ تانچے دج ہے۔"
پیشا کے لئے یہ ایک معیبت تھی۔ اس کی رائے
گاندھی کے قتل سے متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ اعلان اس کی
حمایت نہیں کر سکتا تھا۔ سکھوں سے باہر ہو گئے تو وہ
معیبت ہو جائیگی۔ احمد نے ایک طرف یہ کہ کر کہ "سنگھ کو
ڈنڈے کے ڈر سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ڈنڈا چوروں اور
ڈاکوؤں کے لئے ہے تو سنگھ بچو رہے نہ ڈاکو، بلکہ
محب وطن، سیوک سنگھ کے حق میں فضا سازگار کی اور
دوسری طرف سکھوں کی پاکستان دشمنی کا فائدہ اٹھایا۔ فروری
کے پمفٹ میں تار سنگھ نے یہ بھی کہا تھا۔۔

مجھے اُمید ہے۔ کہ انگریز ہیں اس وقت تک
عبور نہیں کریں گی جب تک کہ ہم پاکستان سے
نپٹ نہیں لیتے۔ (ریزی) جب پاکستان کا معاملہ
حل ہو جائے گا۔ تو ہم اپنی توجہ کانگریس کی

طرف پھینکے۔

"فرقہ پارٹی کے ذہن کو ختم کرنے کے لئے ایک
طرت تو یہاں تک اشتداد ہر تان گیا کہ پاکستان میں
مسلمانوں کو گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ اور دوسری مملکت اور
نوازش اسے بے جا کی یہ کیفیت تھی کہ جیل میں سنگھ
کی فریج وورٹس سیوک سینا کو چھوایا گیا۔ دیکھا، جس سے
بہنیں بلکہ مشرقی پنجاب کی حکومت نے اس سے یہ ساز باز کی
کہ وہ تین اضلاع میں اس فریج کی باقاعدہ نظم و تربیت کرے
اسی مہینے سنگھ کے قتل کے بعد اس کو حکومت مشرقی پنجاب
کو یہ کہنا پڑا۔

مہینے سنگھ نے ایک سکیم تیار کر رکھی تھی کہ
وہ فریج حزب کے مناسب موقع پر سرکاری
کاروبار حکومت پر قبضہ کرے۔ . . . وہ
سکھوں کو ہندوؤں کے خلاف اُجارتا
رہا ہے۔ اس نے عشق و لہذا کو دیکھا ہے
کی خبر تھی کرنی تھی۔

سکھوں نے تقیم پنجاب کا مطالبہ ہاں میں ہاں ملایا
تھا۔ کہ مشرقی پنجاب کے وہ بلا شرکت غیرے ملک بن
جائیں گے۔ سکھ بائیس وہاں پہلے ہی موجود ہیں۔ اور ان کی
مستحکم بن جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حکومت ہند سے
یہ سودا کرنا چاہا کہ وہ اس سرحدی علاقہ میں انہیں کھلا پھوڑ
لے۔ یہاں تک پاکستان دشمنی کا شوق ہے۔ ہندو اس کی
آزادی تو سنگھ دیکھتے ہیں۔ لیکن آزادی دیکر سکھ خود اس
کینے بھی معیبت بن جائے گا۔ سکھوں میں کوئی مرکزی
نقطہ خیال نہیں۔ یہ ان کے فقدان تہہ بہہ کا باعث ہے
اور اس کے باعث وہ اب تک نقصان اٹھاتے چلے آئے
ہیں۔ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکال کر وہ تقیاً مسلمان
دختر نہیں۔ وہ کئی نواز سے بول رہے ہیں اور انہیں
معلوم نہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ان کا مطالبہ غیر واضح ہے

انہیں خود اس کا یقین نہیں۔ ان میں شیخی کا اس ضرور ہے۔ لیکن پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف جذبات نفرت نے انہیں اندھا کر دیا ہے۔ اہل ہندوؤں کے اندسے بن کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کہہ چکے ہیں کہ حکومت کے مطالبہ سے ہٹ کر پنجابی زبان کے صوبے کے قیام تک آگے ہی نہ آئے گا۔ اب بھی ان سے سرد کرتا ہے۔ حیدرآباد پر جو دہ کے دت وہ پھر ہوں اٹھا تھا، حیدرآباد سے فارغ ہو کر جم پاکستان کی طرف توجہ دینگے۔ وہ اپنی سچی کا احساس دلا کر اپنی قدر قیمت کا اندازہ دلانا چاہتا ہے اور کسی آرٹس دت کام آکر وہ قیمت وصول کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ بطور آزاد کار استعمال ہونا چاہتا ہے۔ اس سے ہندوستان میں بھی سکھوں کا نفس مستقبل مہربوم ہو گیا ہے۔ ہندو اس کے جذبات نفرت سے کمینہ رہ گیا اور اوجھڑا دھڑلے لہتا رہ گیا اور ہندوؤں کے لیے نکلنا جائے گا۔ تا آنکہ سکھ بھرتہندی تہ میں ہی ڈھونڈتے سے نہیں ملیگا۔ ہندومت پسے کٹی گروہ چارٹ چکا ہے۔

سکھوں کی طرح ہندوؤں کی معاشرہ اور سیاست میں بھی زبردست نفرت و حقارت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ اس نفرت کی فائدہ سیکوں کو ملتا ہے اور سیکوں کو سکھ کا سر نہیں پیش ہے۔ پیش دو کشتیوں میں سوار ہے۔ وہ ایک طرف میٹھی کے سرمایہ داروں کا سروا رہے اور دوسری سیکوں کو سکھ ایسی غلطی اور شادمانہ

CHALVINIST جماعت کا اہم ترین سیکوں سکھ نے جس میں ہندی سے گاندھی کی موت کے آثار آتا ہے اس سے پیش نانا با شکست قوت بن گیا ہے۔ ہندو کی پوزیشن ایسی مناسب سے کمزور ہے۔ اب اندرون ہند اس نے منان حکومت پیش کے سپرد کر دی ہے۔ بینہ حکومت کی اندرونی حکمت عملی پیش کی ہے۔ سیکوں سکھ نے جو قوت حاصل کر لی ہے اس سے وہ حکومت کی زبردست حریف

بن گیا ہے۔

پیش اپنی پوزیشن کو قدر مستحکم کر چکا ہے۔ اس کا اندازہ اس کی یکم اکتوبر کی تقریر رشی دہلی سے ہوتی ہے۔ اب اندرون ملک شدت نہیں ہوئے گی۔ اب میں ہی پولیس کو ہتھیاروں کا اور ملک کی اندرونی حالت کا خیال رکھوں گا۔

یہ کہنا کہ پیش اور ہندو میں اختلافات ہیں کسی ثبوت کے محتاج نہیں۔ گاندھی کے قتل پر ہندوؤں کے بیانات سے صاف پتہ چلتا تھا۔ کہ دونوں کے جذبات مختلف ہیں۔ ایک فوج ہے اور دوسرے شکست خوردہ۔ پیش کے عمل ہی میں سارا کتبرہ کو اس اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔

الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ پنڈت گاندھی میں کافی قوت نہیں رکھتے۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ گاندھی میں دو پارٹیاں بن گئی ہیں۔ یہ تمام بیانات یکسر غلط ہیں۔ ہم نے پنڈت ہندو کو اپنا ٹیڈ تسلیم کر لیا ہے۔ میں اس وقت گاندھی میں نہیں رہتا تھا۔ جب یہ سنا انقلاب لہند کی مقبول سے محروم ہو جائیں یا ان سے ان کے ہاتھ مضبوط نہیں ہوں گے۔

سارا کتبرہ کی تقریر میں اس اختلاف کا باواسطہ ذکر نہیں ہوا ہے۔

اگر ہندوستان نے جاہلانہ اقدام شروع کر دیے تو میں اور میرے بہت سے لڑکائے کار کی حکومت ہند میں کوئی جگہ نہیں رہیں گی۔

یہاں ہندوؤں کے بسے شرکے کار بھی ہیں۔ جو اس کے باوجود حکومت ہند میں باقی رہ جائیں گے وہ پیش اور ہندوؤں کے دونوں بیانات حاکم کر رہے اور اس عمل کو سمجھنے کے لیے یہی صورت پیدا ہوگی۔ اور ہندو کا جس سے نکل گیا۔ تو باقی کون رہ جائیگا، اس قیام کو کہ پیش اور ہندو نے علی الترتیب اندرون دہلیوں

برامنی کو دُور کرنے کے قابض نامت روایت کے جواز میں ٹیلی بہا نیکاب مدد سے تیار کر گیا۔ کہ ۳۰ اکتوبر کو اس سے کہا۔

ہندوستان کو مہا بھارت کے خلفائے
کے اثرات کے خلاف بھی تحفظات کرتے
ہیں۔ برما میں برامنی پھیلی ہوئی ہے اور
حکومت کی فریض باغیوں کے خلاف
لڑ رہی ہے۔ برما اور ہندوستان کی وحدت
مشترک ہے۔

بالکل ایسے ہی مشترک ہیں جیسے ہندوستان اور عید آباد
کی تھیں اور ہندوستان اور پاکستان کی ہیں۔ کسی ملک
پر حملہ کرنے کے لئے کتنے آسان اور معصوم بہاڑے!
برما بھی تو کبھی ہندوستان ہی کا حصہ تھا!!

ہندوستان کے ان متفاد و متخالف عناصر کو
اپنے حائل پر چھوڑ دیا جائے تو وہ نام لڑ سکیں گے۔
ان میں توازن بدیں صورت پیدا ہو سکتا ہے۔ گراہیں
مشترک دشمن کے خلاف متحدہ رہیں۔ مشترک دشمن
مسلمان بھیجئے۔ اب وہ پہلے سے زیادہ عید آبادوں سے
اندرون ہندوستان بند وادار سکھ کے رحم و کرم پر چلے
اور جب تک وہ سب جو رہے۔ ہندو اور سکھ متحد رہیں گے
اب اتفاق سے مسلمانوں نے پاکستان کی صورت میں
اپنی الگ حکومت ہی بنا لی ہے۔ صدیوں سے جو نفرت
ہندوؤں اور سکھوں کے گلوب میں جاگزیں کی جاتی
رہی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے۔ کہ وہ پاکستان کی موجودگی
کبھی گواہیا نہیں کر سکتے۔ پاکستان کا قیام بھارت ماتا

ملک کے میدان ہائے سیاست سنبھال لئے ہیں۔ تو
مزید تقویت یوں ملتی ہے۔ کہ نہرو اور اس کے بیرون ہند
خاندان کے یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ عید آباد تو
ہندوستان کا خانگی مسئلہ تھا۔ لہذا یہ اقدام جارحانہ نہیں
ورنہ ہندوستان تو کسی ملک پر جیسے نکالیں ڈالنا نہیں چاہتا۔
وہ نے کئی دفعہ ۲۵ اکتوبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کہا
ہم نے بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ میں پورے
عجز و ندامت سے اعتراف کرتی ہوں۔
کہ ہم جہاں جاکا نہ بھی جیسے لیڈر کے ناخلف
ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن ہم نے کسی قوم پر
حملہ کرنے کی غلطی نہیں کی۔
... ہمارے ایسے کوئی دشمن مرعزاظم نہیں

ہندوستان میں ہرنے پیرس میں وہ نے کئی دفعہ
دلایار نے لندن میں کرشنا مینن نے اور امریکہ میں مارڈو
نے ایسے ہی انداز کا پروپیگنڈہ کیا اور ہر ایک نے ہرنے کے الفاظ
میں اقوام متحدہ کی خاموشی کے باوجود اس پر پوسٹا تھا۔
انہا پر کیا اور اسی کے اصولوں سے متنبہ و وابستہ رہنے کا
اعلان کیا۔ ان تقریروں میں خطاب بیرون ہندوستان میں اور
قارئین سے تھا۔ اس کے ہندوستان نے اپنی مصروفیت
فیروز آباد کا مبالغہ آمیز پرچار کیا۔ اس کے برعکس اندرون
مکاپٹیل اپنی وطنی الگ بنا رہا ہے۔ اس نے حفاظتی کونسل
Security Council پر نیز حفاظتی کونسل
Security Council کی پھینکی کسی اور کہا
کہ اگر ہم پر اس کونسل کی پابندی نہ ہو تو عید آباد کی طرح
کشمیر کا مسئلہ آج واحد میں مل کر لیں۔ نیز عید آباد کی

سنا اور ابوالکلام آزاد دلی کی جامع مسجد میں تندرہ ہو کر عرف اٹھارہ ہے۔ کہ ہندوؤں نے کوئی ایسا کام
نہیں کیا جس سے انہیں خدایانوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ "بادشاہ سے بھی بڑھ کر خدا دار MORE
LOYAL THAN THE KING" اسی کو کہتے ہیں۔

کی تعظیم ہے اور ہندو پنڈتوں کی شکست۔ ہندو اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو ایک قوم بنا پایا۔ اور کیا اب مسلمان بھی ہندوؤں کی توہینت کی منہنی اساس کو اثباتی حیثیت دینگے؟ مسلمان کی مخالفت پاکستان کی مخالفت ہے اور پاکستان کی مخالفت وہ جھٹلیق جذبہ وطنیت ہندو ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کی دشمنی ہندوؤں اور سکھوں میں شترک جذبات وطنیت پیدا کر دے اور سکھ اپنی توہمی شخص فراموش یا قربان کر دیتا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پاکستان کی موجودگی ہندو سکھ قوت کو مدد کی دعوت ہے۔ اور ان کے نئے درجہ اتھاکام و قوت ہے۔ یہ بھی ضرور ہے لیکن اس کے برعکس یہ بھی صحیح ہے۔ کہ پاکستان اس اتحاد ناپاک کا قائل بھی بن سکتا ہے۔ پاکستان ان کی منہنی اساس کو اثبات میں بھی بدل سکتا ہے۔ اور پاکستان اس منہنی اساس کو کا لوم کر کے اس محور کو بے بنیاد بھی کر سکتا ہے۔ ہندوستانی حکومت مجبور ہے۔ کہ وہ ان مارہائے آستین کو مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف استعمال کرے، اس کی ہنگامی سلامتی اسی میں ہے۔ لیکن اسی میں اس کی ہلاکت بھی ہے جو ناگزیر ہے جس دیدہ دلیری سے افلاق و آئین کے ضابطوں کو ٹھکراتے ہوئے ہندوستان نے حملہ کیا اور اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ وہ اس کی اندرونی بد امنی اور خلفشاری کا ثبوت ہے۔ جو ناگزیر ہے۔ ان کے حوصلے بڑھا دیئے۔ جو کشمیر کی حالت بھی یہی ہے۔ لیکن کشمیر چھوٹوں کی سمجھنا نہیں ہوا۔ ہندوستان اس خلیفہ میں اٹھ گیا ہے۔ کشمیر نے ہندوستان کے حوصلے لپٹ کر دیئے۔ مگر حیدرآباد ان کے لئے آب حیات ثابت ہوا حیدرآباد کا افسہ سنسکرت بلکہ شرتک سقوط مسلمانوں کے لئے مایوس کن بھی ہے اور حوصلہ افزا بھی۔ ذرا سنجیدگی سے دیکھا جائے۔ تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے،

کہ حیدرآباد کا سقوط زچہ آباد کی فوجی شکست سے اور ہندوستان کی فوجی فتح۔ ہندوستان نے جو تین سو فوجی ٹینک حیدرآباد کی نام نہاد جنگ میں جھونکے وہ محض بطور نمائش تھے۔ ان ٹینکوں نے کوئی سرکرہ سر نہیں کیا۔ حیدرآباد کا سقوط تجربے ہندوستان اور نظام کی کمینڈ سازش کا۔ نظام نے تاریخ کو ڈھرتے ہوئے ایک ہا پھر ملک و ملت سے غداری کی اور جعفر و کنی کا ایسی لبادہ اڑھیا۔ اس سازش کا تار و پود بہت پیسے تیار ہو چکا تھا۔ ہندوستان اپنی فتح کا کتا ہی ڈھنڈا وہ کیوں نہ پیسے طے حقیقت بن نکالیں دیکھو وہی ہیں۔ کہ حیدرآباد سازش کا شکار ہوا ہے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی بمبئی میں نہرو نے کہا تھا کہ حیدرآباد کی لڑائی بہت جلد ختم ہو جائیگی۔ یہ پیشین گوئی نہ اپنی قوت کے زخم میں تھی۔ حیدرآباد کی مزاحمہ ناطقاتی کے باعث، بلکہ اس اتحاد پرستی تھی۔ جو نہرو کو اپنی پس پردہ سازش پر تھا۔ رضا کار اور نظام کی سابق کا مینہ اس حیثیت سے البتہ ہندوستان سے ضرورت کھا گئے۔ کہ وہ اس سازش کو نہ بھانپ سکے۔ وہ آزادی خواہی اور زور باد پر پھرو کرتے رہے اور ہندوستان قدر نظام سے ملکر انہیں دھوکہ دے گیا۔ مسلمانوں کو یہ امر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے حیدرآباد ہندوستانی سازش اور نظام کی غداری کا شکار ہوا ہے۔ اس کا سقوط ہندوستان کی فوجی قوت کا ہرگز ثبوت نہیں۔

دروغ گورا کا نقطہ بنام شد کے مصداق ہندوستانی اس باب میں بھی بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ ہندوستان کے نیم سرکارہ اخبار "ہندوستان ٹائمز" نے ۲۲ ستمبر کی اشاعت میں مقرر کیا ہے جس توہینت ہے کہ اقوام متحدہ کے ہندوستانی نمائندے اس حقیقت کو خاص طور پر

نہاں اور فخر کیلئے کہ نظام کی افواج نے
مطلقاً کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ نظام کی
افواج صرف ایک ہی موقر پر ہندوستانی فوج
کے دربرو آئی ہیں۔ اور وہ موقر وہ تھا۔
جیکو انہوں نے جھیا رٹا ہے۔

نہر دار میں اس حقیقت کا اعتراف نہیں بلکہ
انکار کرنا چاہتے ہیں، اور جو صورت پیدا ہو گئی ہے اس
کا پڑنا ٹانگہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ میدان پاؤ کی اونڈھی
ٹاش پر کھٹے ہو کر نہر دیکھتے ہیں۔

ہم مزہ اور تازہ نظر نگاہ سے
پاکستان پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہونے
مگر ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ہم ہاتھ کاغذ ہی
کی تین میں تشدد کا جواب تشدد سے
نہیں دینا چاہتے۔۔۔ ہم نے اگر پاکستان پر
حملہ کیا تو ہم کشمیر کے پہاڑی علاقوں کے
دریوں نہیں آئیں گے۔ بلکہ باب پنجاب سے حملہ
کرینگے۔۔۔ ہمارا عملہ نہ کرنا کروری کیپ
سے نہیں۔ اپنے ہماری قوت نور کیپ
سے ریسرٹنگ یکم اور ہر اکثر بر کی تقریر
ہندوستان کی فوجی طاقت حیدرآباد میں ہی
دیکھ لی گئی ہے۔ اور کشمیر میں بھی، لیکن یہ
ہنو کا اقبال *our nation* یا تاکیر

۹. *Bract*

ہم پھر دہلتے ہیں۔ کہ چھوڑا ہا ہندوستان کی
فوجی فتح نہیں۔ نیز اس کو بھی دیکھئے کہ ہندوستان
دوبارہ آنے کے بجائے سازش کا مستعد ہو چکا ہے۔
گذشتہ دو تین سالوں میں خصوصیت سے اس نے جو کچھ
حاصل کیا نہ اسد لال سے حاصل کیا، نہ الفاتح، بلکہ تین
سازش سے یہ سیاسی جیکنا کیٹ اس کیلئے اب تک ناممکن

سودا ثابت ہو رہی ہے۔ ہمارا واسطہ سیاسی سوسائٹیز
بلکہ ہمارا ہاؤس ہے، جو قوموں کی بازی کھینچتے ہیں،
اس کے علاوہ ہندوستانی میدان جنگ میں ڈٹ کر
اور ہم کر ڈٹنے لکھنے یا وہ جو صورتیں رکھتے۔ ان میں اتنی
استقامت نہیں ہے۔ بشرتی پنجاب کا قتل عام کیلئے
تو ہا۔ مسلمان ہتھے اور بدعواستھے اور کھ مسخ بھی تھے
اور ہندوستانی فوج کی پناہ میں بھی تھے۔ اس کے
باوجود جہاں کہیں بھی دو چار مسلمان جمع ہو کر مقابلہ میں آئے
انہوں نے دشمنوں کے چھکے چھوڑا دیئے۔ کشمیر میں اس
کا راز شہوت تھا ہے۔ ہندوستانی فوج جدید آلات
حرب سے مسلح ہے، اتنے پاس بھاری گاڑیاں مسلمان جنگ
سے بے پروا مقابلہ تاکم مسخ مجاہدین کو ہرا نہیں سکی۔ اتنا
پڑے سترازی مقابلہ ہندوستان کے لئے خطرناک ہے۔
فوجی مہم کے لئے یہ شواہد زندہ شہداء ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ہندوستان جنگ
اور مبارزت طلبی کی باتیں اس لئے نہیں کر رہے کہ وہ
عسکری اعتبار سے عظیم طاقت ہے۔ بلکہ ایک تو وہ
اندرونی عوامل سے ایسا کرنے پر مجبور ہے جو اس آتش
لاوے کا رخ پاکستان کی طرف موڑے تو خود اس سال
آتش کی نذر ہو جائے۔ دوسرے وہ پاکستان سے متعلق
خط نہی میں بھی مبتلا ہے۔ ہندوستان کے سربے دینی
سے مسلمانوں کا قتل عام کیا، اور اس کے جو عظیم اثرات
سازش لکھے وہ پاکستان کو معطل کرنے کے لئے کافی
تھے۔ یہ احسان الہی تھا، اور ہمارے قائد اعظم کی
فیر معمولی ہمت کہ پاکستان نہ محض قائم رہا بلکہ مستحکم تر ہو گیا
ہندوستان اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ پاکستان اس
جہاں گس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ فوجی
سازد مسلمان جو پاکستان کے جوتہ میں آیا ہے، وہ اس
نے بہت دتک روک رکھا ہے۔ تو ہندوستان کی غلط فہمی

ہے کہ ایک طرف پاکستان زمینوں سے نڈھال ہو
دوسری طرف وہ غیر مسلح ہے اور جنگ کے ناقابل پختہ
کی امن پسندی کو اسی پر معمول کر رہا ہے۔ تیسری غلط فہمی
اسے قائد اعظم کی وفات سے ہے۔ منہ دوا کہ سزا
سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوا کہ مطالبہ پاکستان ناقابل
کے مارنے کی ایجنڈے سے زیادہ کچھ نہیں۔ پاکستان ہاتھ سے
رہے کر بھی اسکی آنکھیں نہیں کھلیں۔ اب قائد اعظم کے
رضعت ہو جانے سے اس کی اُسیدیں بھر پور ہو گئی
ہیں۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ مسلمان کو ذرا ڈرایا دھمکایا
گیا تو پاکستان کا سقوط یقینی ہے۔ یہ نہیں کہہ جا سکتا
ہے کہ ہندوستان کس حد تک پاکستان سے جنگ لڑنے کے لئے
تیار ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ وہ چند در چند غلط فہمیوں میں
مبتلا ہے۔ وہ دھمکیوں سے کام لے گا۔ خوف و ترس بڑھانے
کا ہدف تمام کالم کو استعمال کرے گا۔ سابق پیشکش مسلم
"فریج" پر مبنی تیار ہے۔ ہندوستان سے پہلو پل
بل کر آگے بڑھا رہا ہے۔ پاکستان کو ہت اور دیر سے
سے کام لینا چاہیے۔ اور مدعا دولت کو جبراً اور پر تریج اور
فریج دینی چاہیے۔

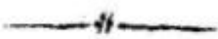
آزاد پاکستان ہندوستان کی ہوس قیادت ایٹیکے
لئے زبردست خطرہ ہے۔ ایٹیا میں مستبد جنتہ مسلمان آبادی
کلی ہے۔ ہر جہ پاکستان کی قیادت تو جوں کر سکتا ہے۔ لیکن ہندو
کی نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہندوستان پاکستان کا نڈھال ہونے سے
نکالنا چاہتا ہے۔ اس کی غلط فہمی رفع ہونے اور مزاج سماج
ہونے کی واحد صورت ایک فیصلہ کن موڑ ہے۔ ہم کہتے ہیں
کہ واہی کشمیر میں ہمو کر برپا کیا جا سکتا ہے۔ اور ہندوستان
کی غلط فہمیاں چیرنے کیلئے دور کی جا سکتی ہیں۔ ہندوستان کے
دانت ایک دفعہ کھلے کر پھٹے گئے تو وہ کبھی چارے نہ نہیں
آسکے گا۔ اب وقت ہے کہ اسے نوک لائے۔
یہ فیصلہ جس کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں۔

عاجز نہیں ہو سکتا۔ ہماری حکمت عملی متفقین سید کے اتنا
کے مطابق ہوگی۔ اور وہ اتنا ہی ہے۔ توت، توت، توت
توت!!! آبادی، اور ہندو اور توت کے لحاظ سے پاکستان
سب دولت غلطی بخشے کے وسیع امکانات ہیں۔ ہمارا سب سے
کی اہمیت کے امکانات اس پر متناہ ہیں۔ لیکن یہ حیثیت
ایک دن میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کیلئے سخت استقلال
اور استقامت درکار ہے۔ میں اپنے مقصد اصلی کو نگاہ
ہماد کہنا چاہیے، اور ہر قدم اسی سمت میں اٹھانا چاہیے
لیکن میرے ہندوستان ہند غلط فہمیوں میں مبتلا ہے
اسی طرح پاکستان کی بھی غلط فہمیاں ہیں۔ ہم نفس حقیقت
کی طرف سابقہ اشارت نہیں بھی منشا اشارہ کیا تھا۔ لیکن
اس کی اہمیت کے پیش نظر اب ہم اسے واضح تر الفاظ
میں دہراتے ہیں۔ مسلمان اس خوش فہمی سب سے۔ کراس کے
پاس ایمان کی دولت اور توت سے اور کوئی طاقت اس
کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایمان واقعی بڑی طاقت ہے، اور
کوئی دنیاوی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن وہی
ایمان جو عمل یعنی جہاد کو سب سے ہے۔ ایمان بغیر عمل کا
جو تصور ہم نے پھر لے لیا ہے۔ وہ ایمان نہیں جو فریج و ظفر کا
ضامن ہوتا ہے۔ یہ ایمان مشرقی پنجاب کے ایک ایک مسلمان
گھرانے میں رسوا ہو چکا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ پھر بھی اسی نسلی
ایمان پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ ہمیں بھروسہ نہیں چاہیے
کہ حیدرآباد میں رضا کاروں کا یہی ایمان (جلاوت) ہندو
ٹینکوں کی لینا رکھ، رکھنے سے فائدہ چکا ہے۔ قرآن
سے جو سیارہ رکھتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ دس سو سو توت
وہ ہیں گفتار پر غاب آفرنگے۔ قرآن کے مہربان اور
ایمان دہلی ہوتے ہیں۔ عمل ایمان کی ناگزیر شرط ہے۔
ہم دھرتے ہیں کہ ایمان واقعی ہمارا امتیاز ہے۔ لیکن
مادی جنگ ہر کین مادی سامنے سے لڑی جاتی ہے۔
ایمان کی قوتیں اس کی کسی حد تک کسی کو بڑا کر دیتی ہیں۔

لیکن اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اگر خدایا ایمان ہی دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کافی ہوتا تو قرآن میں گھوڑوں کے رسلے اور دیگر فوجی قوتوں کی تیاری کا حکم نہ دیا جاتا۔ نہ ہی رسول اللہ ﷺ بدست میدان جنگ میں تشریف لے جاتے۔ اس لئے ہمیں جذباتی نعروں کے فریب میں نہیں رہنا چاہیئے۔ اگر ہم تیار بھی ہوں گے اور صاحب ایمان بھی تو ہمیں یقیناً اللہ کی خدمت حاصل ہوگی۔ تو ہمیں عمل سے بیگانہ ہو جاتی ہیں۔ تو وہ اس قسم کے تصوراتی پہاڑے نشتر تھکتا ہیں۔ ہندوستان از دوش تا کر زہ میں ڈوب رہا ہے۔ اور ہم "ایمان" کی بخشوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

مادی تیاری کے ساتھ ساتھ ہمیں ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کے بعد کی سیاست کو فہم و بصیرت سے نگاہ میں رکھنا چاہیئے یہ مسئلہ ہے کہ ہم نے ظلمتوں میں گھس کر کھائی ہے۔ جب تک جنگ اُصولوں تک محدود رہی۔ ہم کامیاب رہے۔ لیکن جب عمل کا وقت آیا ہمارے قدم اُٹھ گئے۔ وہی مسلم لیگ جو سیاسیات ہند میں قوال فیصل کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ جس نے ہندو اور انگریزوں کے بائکن منڈا کے چھوڑا وہ جہاں تقسیم کو نزدیک کیا۔ اور بے لیں چکر لگایا، عسربانی تقسیم میں جو کمیز سازش ہندو اور انگریزوں کی ہم اس سے بھی ماٹ لھا گئے۔ ہندو لیڈروں نے بہت پہلے تنازعہ اوقات کو جاننا اور کشمیر کو محفوظ و مسلح کرنا شروع کر دیا۔ ریڈ کلفن نے ان کیلئے راستہ بھی بنا دیا۔ اور ہم منہ دیکھتے رہ گئے۔ کشمیر کا متحدہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا۔ تو ہم نے منطق و معقولیت کے زور پر دیکھا کہ اپنی حقانیت کا قائل کر لیا، لیکن جب شاہد بگڑنے کا وقت آیا۔ تو ہندوستان چاکلے پر بازی سے گیا۔ عین آخری وقت میں پانڈیوں کو لیا۔ حیدرآباد میں ہم حقیقت حال سے بے خبر رہے۔ ہم اس کی ضرورت تیاروں پر مطمئن رہے اور ہندو نہیں پر وہ نظام کہ شریکیت از شہنشاہ کر حیدرآباد کو پیشا کرے گئے۔ ہندوستان نے جو ناگوار طریقہ میں دہلی ریاست

کا فیصلہ ٹھکر دیا۔ اور بزرگ شہر سے فوج کر لیا۔ کشمیر میں اس نے دہلی ریاست کا فیصلہ قبول کیا اور جنگ کی طرح ڈال دی۔ سیدرآباد میں اس نے الحاق کے خلاف دہلی ریاست کا فیصلہ قبول نہ کیا۔ لیکن اس دہلی ریاست کا سپر پارٹیزی کا فیصلہ اس نے تسلیم کر لیا۔ اس تعداد اور اکر دیا فوجی کے باوجود وہ اقوام عالم کی صف میں دندنا رہا ہے تھکتا میں ہندوستان نے سازش کی۔ نقر ایچی کو اس نے اُٹھارا۔ افغانستان پر اس نے ڈڈرے ڈالے، غرض وہ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کر رہا۔ اور ہم ہیں کہ اذاتو سرزد ہو چکنے کے بعد ہیں آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ کیا ہماری اطلاعات اس قدر ناقص ہیں یا کیا ہم دشمن کے لئے کوئی اُچھا پیدا نہیں کر سکتے یا کیا ہماری حیثیت اسی طرح دفنا ہی رہی ہے یا یہ سرملات گرسے خور و فکر کے محتاج ہیں۔ ہیں مہم افواہوں پر کاننا دھرنے اور انہیں نشر کرنے کے بجائے ان مسائل ہم کو سوجھنا چاہیئے۔ اور سہ تہیں سے متعلق نہ اہم سوچنی چاہیئے۔ مسانت اور سبندگی سے ہنوز اور تدبیر سے۔ محض جذباتی جوش و خروش سے نہیں۔ جذباتی نعروں نے ہمیں آج تک کوئی شہس کام نہیں کرنے دیا۔ لیکن اب یہ سلطنت ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ اب ہم آزادی حاصل کر چکے ہیں۔ یا وہ کھٹے پاکستان نامم ہو چکے ہیں۔ اور قائم رہیگا۔ لیکن اس کے تیام کا دار و مدار ہماری قوت ہوتی ہے۔ اور عزم راسخ ہے:



بقیہ "لمعات" صفحہ ۱۲۰ سے آگے

ان کی شخصیت کچھلے دس بارہ سال سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز و محور بنی ہوئی مسیحی ساری قوم ان پر مجتمع تھی۔ ان کی راہ نمائی پر سب کو بھروسہ تھا۔ ان ہی کے ذاتی اثر و سرخ نے تمام مختلف عناصر کو جو ذکر مسلمانوں کو ایک متحدہ قوم بنایا تھا۔ ان ہی کے اعتماد پر قوم نے اپنی پوری طاقت اس جدوجہد میں لگا دی تھی جس کے نتیجہ میں آخر کار پاکستان قائم ہوا اور قیام پاکستان کے بعد اس نئی مملکت کی عمارت جس مضبوط ستون کے سہاڑے پر تعمیر ہو رہی تھی وہ بھی ان ہی کی جامع اور مستمہ علیہ شخصیت تھی..... صرف ملک کے اندر ہی نہیں بلکہ ملک کے باہر بھی پاکستان کی جو ساکھ اور دھاک تھی وہ زیادہ تر اسی آزمودہ کار مدبر کی بدولت تھی۔ کوئی دوسری شخصیت ہمارے ہاں ایسی نہیں کہ اس کے وقار اور تدبیر کو بین الاقوامی برادری میں اسے درجہ بھروسے اور اعتبار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔ دنیا کے لئے تو مرحوم کی وفات محض ایک بڑے اور مشہور رہنما کی رحلت ہے۔ مگر ہمارے لئے یہ ایک بہت بڑی قومی مصیبت ہے۔ کیونکہ اس سے ہماری نوخیز مملکت کی طاقت اور ہماری قومی زندگی کو ایسا سدھہ بیچا ہے جس کی تلافی مشکل نظر آتی ہے۔

انڈیا کہ اندھ نٹلے ہی دم فرمائے اور ہماری مدد کرے۔

درزجان القرآن بابت ستمبر ۱۹۳۳ء

پہلے ان خیالات کو دیکھئے جن میں اسی قائد اور اس کے رفقاء کے کار کو منافعتین کے گردہ میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان خیالات کو جن میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ یہ تمام تباہیاں اور بربادیاں اسی قائد کی غلط قیادت کا نتیجہ ہیں۔ اور پھر مسلمانوں سے پوچھا گیا ہے کہ کہو! ایسے قلم کی قیادت، بھروسہ اور اعتماد کے قابل ہے؟ اور پھر اسی قائد کے متعلق ان خیالات کو دیکھئے جن کا اظہار معاملہ کی قانونی نزاکت کے احساس کے بعد مندرجہ بالا الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ان سب کا موازنہ کیجئے اور پھر اندازہ لگائیے اس شخص کی سیرت کا جو بیخبرانہ انداز میں منافعتین مسلمانوں کو از سر نو مسلمان بنانے کا مدعی ہے

ہم یہ لکھ رہے ہیں اور ان جذبات کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں جو اس کے پڑھنے سے ان نوجوانوں کے دلوں میں موجزن ہوں گے جو اس تحریک کو اپنے خلوص اور دیانت کی بنا پر فی الواقعہ روح اسلامی کا پیکر سمجھے ہوئے ہیں۔ ان کا غم و غصہ اپنی جگہ بجا ہے اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کے خلوص اور قربت فیصلہ پر حرف آتا

ادراں کی عقیدت کو ٹھیس لگتی ہے۔ لیکن یہ علم و فضلہ و نسیا ہی ہے جیسا ان لوگوں کے دلوں میں، ہونہایت خلوص اور نیک نیتی سے تحریک مرزاہیت کو سچا سمجھ کر اس میں داخل ہو چکے ہوں، اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب کوئی اس تحریک کو بے نقاب کر کے ان کے سامنے پیش کرے، یہ انسانی ذہن کا تقاضا ہے۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی تحریک نظریہ، عقیدہ، یا اصول بعض اس لئے مبنی برصدائت نہیں ہو سکتا کہ اس کے اختیار کرنے والوں نے اسے نہایت خلوص اور دیانت سے اختیار کیا ہے۔ اس طرح تو دنیا میں کوئی تحریک، کوئی نظریہ، کوئی عقیدہ اور کوئی اصول بھی غلط اور باطل قرار نہیں دیا جاسکے گا۔ جو کچھ ہم نے لکھا ہے کوشش کیجئے کہ آپ اسے ٹھنڈے دل سے پڑھ سکیں اس کے بعد سوچئے کہ کونسی راہ درست ہے۔ اگر اس کے بعد بھی آپ کی رائے وہی ہو جو اس سے پہلے تھی تو بڑے ذوق سے اپنی رائے پر قائم رہیے۔

فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ (۱۰۵)

یاد رکھئے۔ ہم سب مسلمان اجتماعی طور پر ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ سب ایک ہی ماحول کے پروردہ اور ایک جیسی نئی مجبوروں میں ماخوذ۔ ہم میں سے کسی کی بھی یہ پوزیشن نہیں جو دوسروں سے کہے کہ میں مسلمان ہوں اور تم منافق ہو۔ یہ حق مرف رسول کو میخوتا ہے جو اپنے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا اور اس لئے درحقیقت ان میں سے نہیں ہوتا جن میں وہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا اس مقام کا مدعی ہے تو وہ خواہ مرزا صاحب کی طرح، زبان سے اس کا اعلان کرے یا روم و دی صاحب کی طرح، لفظاً اس کا دعویٰ نہ کرے مگر عملاً اپنے آپ کو اس مقام پر سمجھے، تو یہ پینہا نشان کا ادا ہے۔ چنانچہ صحیح مقام یہ ہے کہ ہم جھیں کہ ہم سب مسلمان ایک ہی مصیبت میں گرفتار اور ایک ہی ماحول کے عقیدہ میں۔ آؤ۔ ہم سب مل جل کر کوشش کریں کہ اس غلط ماحول کو بدل کر اس کی جگہ صحیح اسلامی عقیدہ پیدا کریں۔ اس باب میں ہم میں سے جو لوگ صاحب فکر و نظر ہوں گے ان کا کام اس قسم کی تجاویز سوچنا ہو گا جو ہمیں اس تبدیلی احوال پر قادر کر دے۔ یہی ان کا فخر و امتیاز ہو گا۔ یہ ہے صحیح راہ عمل۔ نہ یہ کہ اپنے متبعین کو اسلامی جماعت کے افراد اور باقی مسلمانوں کو جہنم کا اندھن تصور کر لیں۔ ادراں سب کو ذلت کی نگاہ سے دیکھ لیں۔ نفس کا دھوکا ہے۔ یہ مذہب اور حق پرستی کی آڑ میں ابلہ فریبی ہے۔ یہ وہ مسلک ہے جس کے متعلق خود

زحمان القرآن نے لکھا تھا

منافقین کا ایک طبقہ وہ تھا جو مسلمانوں کی جماعت میں بعض تفریق اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی خاطر اسلام کا لیبیل لگائے رہتا تھا۔ یوں تو جماعتی زندگی کیلئے تفرقہ عموماً مفرت دساں ہوتا ہے لیکن ضرورت کے ساتھ جو تفرقہ مذہب اور حق پرستی کی آڑ میں نمودار ہوتا ہے وہ ایسا زہر لہلا ہے جس کا کوئی زیاق نہیں۔

یہ تو قیمت سمجھے کہ اس جماعت کو کوئی طاقت حاصل نہیں ہوئی اور مجھڑ سخنان اس کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ ورنہ سوچئے کہ اس وقت مسلمان، پاکستان کی مخالفت میں ان کے ہم نوا ہو جاتے تو اس کا نتیجہ پوری کی پوری قوم کی ہلاکت کے سوا اور کیا ہوتا۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ اس وقت جو کچھ ہندو اور انگریز کرتا ہے کرنے دو۔ تم بے فکر ہو کر اپنے افلاق سنوارنے میں لگے رہو۔ جب تم اس طرح اصلاح یا فتنہ ہو جاؤ گے تو دنیا کی سلطنتیں تمہارے قدموں میں آجائیں گی۔ اگر مسلمان ان کی مان لیتا اور بساط سیاست کو ہندو اور انگریز کے سپرد کر دیتا یا نیشنلسٹ قسم کے مسلمانوں کے حوالے تو اس وقت پورے کے پورے دس کروڑ مسلمانوں کی وہی حالت ہوتی جو ہندوستان میں آج ہے جانے والے مسلمانوں کی پوری جگہ اس سے بھی زیادہ۔ اس لئے کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد ہم پھر بھی اس قابل ہیں کہ اپنی آواز دنیا تک پہنچا سکیں اور اس دوران میں اپنی دفاعی قوتوں کو مضبوط کر کے مستقبل میں اپنی حفاظت کے ساتھ ساتھ، ہندوستان کے مسلمانوں کی حفاظت کا سامان بھی ہتیا کر سکیں۔ لیکن اگر اس اسلامی جماعت کے مواظفہ حسنہ کے تصدیق ہم مقدّمہ پاکستان سے خود ہی دست بردار ہو جاتے تو آج ہندو سیاست کا کابوس اس طرح ہمارا گلا دبائے ہوتا کہ ہماری آواز تک نہ نکل سکتی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حیدرآباد کے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، حالانکہ وہاں حکومت ان کی اپنی تھی، ہم بھی غیر تقسیم شدہ ہندوستان میں قریباً اتنے ہی فیصد ہی ہوتے تھے حیدرآباد کے مسلمان وہاں کے ہندوؤں کے مقابلہ میں تھے۔ یہ تو محض انڈیا کا انسان ہے کہ اس نے محترم قائد عظیم (مرحوم) کی آواز میں ایسا اثر پیدا کر دیا کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چرنا غلطی ہی نہیں پایا اور وہ اس طرح مباحثہ سیاست پر اتنا بڑا مقدمہ جیت گئے۔ ورنہ مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی کے لئے کچھ کم سامان ہم نہیں پہنچائے ہارچے تھے۔ مسلمان کے غیر میں مذہب پرستی ہے اس لئے ہماری سیاسی تنگ و تناز میں قومیت پرست علماء کا گروہ ایک فتنہ بڑھیم کا موجب تھا۔ ان کی زبانوں پر دن رات قال اللہ و قال الرسول تھا یہ وہ قال ہے جس پر مسلمان اپنا سب حلال مذاکرے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس فتنہ سے مسلمان خدا خدا کر کے بچا۔ اس لئے بھی کہ ہندو اور مسلمان کو ایک قوم سمجھنے کا ثبوت صورتہ حضرات پیش کرتے تھے وہ خود مسلمان کی نفرت کے خلاف تھا۔ اس لئے مسلمان کے اس غیر شعوری جذبہ کے مقابلہ میں ان کا محض قال اللہ اور قال الرسول بھی ناکام رہا۔ لیکن سو دوی صاحب پاکستان کی مخالفت میں اس کمزور پہلو کی طاقت کا سامان ہم پہنچا کر، باہر آئے تھے۔ انہوں نے متحدہ قومیت کی پہلے ہی مخالفت کرنی شروع کر دی تھی حالانکہ اس سے پہلے یہ جمیعت العلماء کے اہلکار۔ انجمیت کے حلقہ ادارت میں تھے، اس لئے جو اعتراضات نیشنلسٹ علماء پر وارد ہوتے تھے وہ ان کی زور سے باہر ہو چکے تھے۔ لہذا جس انداز میں انہوں نے مسلمانوں کو اپنی طرف بلانا شروع کیا، وہ نیشنلسٹ علماء کے طریق و اسلوب سے بھی زیادہ جاذب،

معصوم اور نگاہ فریب تھا اور بہت کم لوگ تھے جو یہ بھانپ سکے کہ اس دعوت سے مقصود بھی مسلمانوں کو تفریق پاکستان سے الگ رکھنے کی کوشش ہے۔ جمییت العلماء کے افراد چونکہ کھلے بندوں نیشنلسٹ بن کر سامنے آئے تھے اس لئے تشکیل پاکستان کے بعد ان کا مسلمانوں میں گھل مل جانا مشکل تھا۔ لیکن اسلامی جماعت کے افرز مرزائی حضرات کی طرح، یکسر پاکستانی بن گئے۔ اس سے کسے انکار ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں ہم غلطیاں بھی ہوئیں۔ ہماری قیادت سے بعض معاملات میں سہو بھی ہوا اور طلوع اسلام نے ان چیزوں کو بار بار واضح کیا ہے، اس لئے کہ یہ قیادت انسانوں ہی پر مشتمل تھی اس لئے ان سے غلطیوں کا امکان تھا۔ پھر اس میں بھی کلام نہیں کہ ہماری اخلاقی حالت بہت پست ہے۔ ہم میں بڑی کمزوریاں ہیں، ایسی کمزوریاں کہ مسلمان تو ایک طرف، عام سطح کے انسانوں میں بھی وہ کمزوریاں نہیں ہونی چاہئیں۔ لیکن یاد رکھئے۔ ان کے متعلق کسی ایسے شخص یا عین کا بتایا ہوا علاج کبھی صحیح علاج نہیں ہو سکتا جو تشکیل پاکستان سے پہلے، پاکستان کے خلاف تھا۔ اس کے دل میں پاکستان کا درد نہیں ہو سکتا۔ وہ پاکستان کو اپنی سابقہ روش کی تلمذیاب کا موجب سمجھتا ہے۔

پاکستان کا مستقبل بڑا درخشندہ ہے بشرطیکہ یہ ان ناچھین مشفق کی کرم فرمایوں سے محفوظ رہا جو شروع سے اس کی تخریب کے درپے رہے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان بے پناہ مصائب کی وجہ سے پریشان دماغ ہو رہا ہے اس لئے بعض اوقات بظنی اور قنوطیت کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔

دل بخوں مثل شفق باید زدن

دست در فراق حق باید زدن

جاں ز امید است چوں جوئے رواں

ترک امید است مرگ حب اوداں

ہی میں کامیابی کا راز ہے۔ واقدار المستعان علیہ توکلت والیہ اذنیب



ط۔ اس کی توجہ کو اسی صورت میں محکم اور قابل اعتماد سمجھا جاسکتا ہے جب وہ ایک عرصہ کے مسلسل عمل سے اس حقیقت کو ثابت کر دے کہ وہ فی الواقعہ دل سے تائب ہو چکا ہے اور اپنی سابقہ روش پر نادم و متاسف ہے۔